اس سلسلے کے چاروں سٹوں کی بارہ کتابوں کے ملنے کے پتے

(۱) محمد مقتدی خاں شروانی۔ علی گڑھ

(۲) محمد الیاس برنی۔ جام باغ۔ حیدرآباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی۔ لوہاری دروازہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشریح ترتیبِ جدید

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہی کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پرانی داستان ہی۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہی۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلۂ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر دھنتے ہیں

ان کی ہم پلّہ نظمیں خود ان کی اُردو زبان میں موجود ہیں۔ شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بُو سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح ہوتی ہے۔ اُمید ہے کہ اس انتخاب کو دیکھکر تعلیم یافتہ حضرات کے دل میں ضرور اُردو شاعری کی قدر و محبت پیدا ہوگی اور ان کی قدردانی و توجہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دَور شروع ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

۱۹۱۹ء میں اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی جب کہ معارفِ ملّت مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت کی پہلی تین جلدیں شائع ہوئیں اور پہلا سٹ کہلائیں ملک نے بہت گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اچھے اچھے ادیبوں اور نقادانِ سخن نے انتخاب اور ترتیب کی داد بلکہ مبارکباد دی۔ ہر طرف سے فرمایشوں کا تار بندھ گیا۔ اور ہاتھوں ہاتھ کتابیں چل نکلیں۔ علاوہ بریں اکثر صوبوں کے مدارس میں کتب خانوں انعامات بلکہ درس کے واسطے بھی یہ کتابیں منظور ہو گئیں۔ اس قدر شناسی نے ہمّت افزائی نے قدرتاً نسخوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کر دی۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا اور ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن بھی نکل آے۔ ۱۹۲۲ء میں یہ تینوں سٹ چلتے رہے ۱۹۲۳ء میں چوتھا سٹ بھی نکل آیا۔ اس طرح پانچ سال کے اندر اندر

سلسلہ کی بارہ جلدیں شائع ہوگئیں جن میں کم و بیش دو سو قدیم و جدید شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل تھا۔

الحمدللہ ان کتابوں نے اُمید اور توقع سے بڑھکر شہرت و مقبولیت حاصل کی قدیم و جدید تعلیم یافتہ سب ان کا دم بھرنے لگے۔ بڑے چھوٹے یکساں دل سے قدر کرنے لگے۔ سفر حضر میں ان کو پیشِ نظر رکھنے لگے۔ پڑھی لکھی بہو بیٹیوں نے تو ان کو اپنا وظیفہ بنالیا۔ خلوت و جلوت کے لئے اچھا مشغلہ پالیا۔ آپس کے تحفے تحائف میں بھی یہ کتابیں چلنے لگیں اور گھر گھر دلچسپی اور خوش وقتی کا سامان بن گئیں۔ غرض کہ صدہا اردو پرست گھروں نے اِس سلسلہ کے معتقد بلکہ مرید ہوگئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ اردو میں ایسے انتخاب کی عام و خاص کو کس درجہ ضرورت تھی۔

اِس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی نظیر دوسری زبانوں میں بھی کم نظر آتی ہے ترتیب اور تقابل ہے یعنی ایک ایک مضمون کے متعلق متعدد نظموں کو اِس طرح یکجا ترتیب دینا کہ ان کا باہم مقابلہ ہوسکے اور تقابل سے ہر ایک کے خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے ادبی مدارج کا پتہ چلے کہ کس اعتبار سے کون سی نظم کس نظم پر فایق ہے۔ یہ طریق تقابل جس کو انگریزی میں کمپیریٹو اسٹڈی

کہتے ہیں ادب کی تعلیم میں بہترین اور انتہائی ذہنی تربیت شمار ہوتا ہے۔ مزید براں اس قسم کی ترتیب سے اردو شاعری کی وسعت اور رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کن کن مضامین کی فضا میں اردو شاعر کس حد تک بلند پروازی دکھا چکے ہیں چنانچہ اس سلسلہ کو دیکھکر بہت سے منکر اور غافل اردو شاعری کے قائل بلکہ معتقد ہو رہے ہیں، حالاں کہ ابھی بہت کچھ بیش قدر کلام نظروں سے پوشیدہ ہے۔

ترتیب کے علاوہ دوسری خصوصیت جس کی تفصیل تمہید میں مذکور ہے یہ کہ انتخاب میں صرف نظمیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بڑی ترکیبوں کے ساتھ مشہور نظموں میں سے ایسی نظمیں نکالی گئی ہیں جو بجائے خود مستقل اور مکمل معلوم ہوتی ہیں حالاں کہ اصلی نظموں میں ان کا شبہ گزرنا بھی مشکل تھا اس سے بڑھکر جدت یہ کہ ایک ہی شاعر کے متفرق اشعار یکجا ترتیب دے دے کر ان سے نہایت نادر اور لطیف مضامین پیدا کیے گئے ہیں۔ جو مستقل نظموں میں نایاب ہیں، بیسر تقی میر۔ مرزا غالب اور اکبر الہ آبادی ان حضرات کے کلام میں خاص کر اس طریق کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے چنانچہ اس طرز کی متعدد نظمیں سلسلہ میں شریک ہیں جو اپنے طرز میں بالکل عجیب اور انوکھی معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بیخودی میں شاعر کے منہ سے حقایق کے پھول جھڑتے رہتے

ہیں۔ کوئی چاہے تو ان کو جمع کر کے بہترین خوشنما اور خوشبودار گلدستے بنا لے۔
نظمیں ان ترکیبوں سے حاصل ہوئیں تو اکثر کے عنوان ندارد۔ پھر ان پر
ایسے موزوں اور جامع عنوانات لگائے گئے کہ معانی کے دریا کوزوں میں
بند نظر آنے لگے۔ غرض کہ طرح طرح سے کوشش کی تب کہیں ایک حد تک اردو
شاعری کی چمن بندی ہو سکی۔ ورنہ اِس خطّہ کے سرسری رہ رووں کو اکثر ایک
خودرو جنگل کا دھوکا ہوتا تھا جس میں ان کو رنگ و بو کے پھول بھی کم نظر
آتے تھے۔

کُل مواد پہلے سے تو موجود نہ تھا۔ بتدریج فراہم ہو ہو کر ترتیب پاتا گیا۔
شائع ہوتا گیا۔ اس طرح چار سٹ مُرتّب کر کے بارہ جلدیں شائع ہوئیں۔ گرچہ
سلسلہ کی ترتیب اور تہذیب میں پوری کوشش کی گئی پھر بھی اصلاح و ترقی
کی کافی گنجائش باقی رہ گئی مضامین کی مجانست ترتیب کی رُوح رواں ہے
وافر مواد مُہیّا ہو جانے کی بدولت جدید ترتیب میں سابق کے مقابل مجانست
مضامین کہیں زیادہ چُست اور وسیع ہو گئی ہے حتیٰ کہ ہر جلد میں ایک مستقل اور
جداگانہ کیفیت نظر آتی ہے شائع شدہ نظموں کے علاوہ بہت سی اور نظمیں بھی
شامل ہو گئی ہیں گویا جدید ترتیب اور مزید مضامین کے ساتھ یہ بارہ جلدیں

از سرِ نو شائع کی جاتی ہیں اور آیندہ یہ ان کی مستقل شکل رہیگی۔ تفصیل ملاحظہ ہو

پہلا سٹ

معارفِ ملّت

جلد اوّل - متعلق دینیات یعنی حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں، جن میں دین و ایمان کی خوشبو مہکتی ہے۔ صاحب دلوں اور عاشقان رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم - متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں۔ خاص کر واقعہ کربلا کے ۱۵ جگردوز نشتر لذت شہادت تازہ کردیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بیش بہا تحفہ ہے۔

جلد سوم - متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے۔ اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابل دید ہیں۔ قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم۔ متعلق اخلاقیات یعنی اردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں فراہم کردیئے گئے ہیں۔ یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابل قدر تحفہ ہی۔ تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہی۔

دُوسرا سٹ

جذباتِ فطرت

جلد اوّل۔ اردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب خاص کر میرؔ کے متفرق اشعار کو ترتیب دے کر جو نازک مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ بہت نایاب ہیں۔ یہ کتاب بھی کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہی۔

جلد دوم۔ اردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالبؔ اور اس کے خاص ہم عصر یا خاص ہم رنگ شعرا ذوقؔ، ظفرؔ اور حسرت موہانی کے کلام کا انتخابی غزلیات کے علاوہ مرزا غالبؔ کے متفرق اشعار کی ترتیب سے جو گوناگوں لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ قابل دید ہیں۔

یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً تیس قدیم، مستند اور باکمال شعراء کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب۔ شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سٹ

مناظرِ قدرت

جلد اوّل۔ متعلق اوقات یعنی صبح، شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ ان کو دیکھکر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لئے یہ جلد قدرت کی دلفریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے

اُن کی سیر کر رہی ہیں۔

جلد سوم ۔ متعلق نباتات و حیوانات ۔ یعنی پھول پھل، کیڑے، پتنگے، تتلیاں چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ ۔ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اُردو شاعروں نے اشیاء قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم ۔ متعلق عمرانیات ۔ یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید تیوہار، غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں، جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم ۔ سب طرح کے حالات پیش نظر ہو کر دل کو بے چین کر دیتے ہیں ۔ مناظر قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

سلسلے کی یہ بارہ جلدیں تو مستقل ہو گئیں ۔ اگر آئندہ موقع ملا اور مواد فراہم ہوتا رہا تو ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً ایک ایک جلد اس سلسلہ کے تتمہ کے طور پر شائع ہوتی رہیگی ۔ اور ہر جلد میں معارف ملت ۔ مناظر قدرت اور جذبات فطرت ۔ تینوں حصوں کے کچھ کچھ مضامین شامل رہیں گے ۔ ہر حصہ کی جداگانہ جلد مرتب ہونے کا

انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو اُمید ہی کہ اُردو کا بیشتر قابل قدر کلام یکجا محفوظ ہو جائے گا۔ اور شایقین کو بلا وقت دستیاب ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک فارسی انتخاب کے واسطے بھی عرصے سے بعض محترم بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمایش جاری ہی بلکہ اصرار تک نوبت پہونچ گئی ہی۔ مہلت اور موقع شرط ہی۔ ممکن ہی کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی شائع ہو کر شرف مقبولیت حاصل کرے۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللہ۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
دسمبر ۱۹۲۴ء

محمد الیاس برنی

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب اُفتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی
حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی اِدبار کی
بجلیاں گرتی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابلِ دید تھی۔ خود
فرماں روائے وقت دُنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دُھن میں مست تھے
شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے
آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ وا نے آسمان
سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں

رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق وعاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مُردنی چھائی، اخلاق وعادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔ پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیے۔ اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرزِ شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ اِن واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایّام کی نذر ہوگیا تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں

جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے، ہنستوں کو رُلاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعت ادب ترقی زبان اور اصلاح تمدّن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتّب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شائع ہو رہا ہے۔ لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مُرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رُجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمّہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتا چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجّہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملّت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرّک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجیے اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اُردو شاعری نے قومی تنزّل اور تباہی کے دَوَر میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام بار داور یاس انگیز ہے دُنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، فتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر نا ممکن ہے کہ اسے تن کرمال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو

شاعری کی یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہی۔ کہیں خدانخواستہ جدوجہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد نہ پڑجائیں۔ اِس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہوجائے گا۔ علیٰ ہذا۔ قدرت کو لیجئے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہی لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جاکر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہی اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اِس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے اِس کے تین جداگانہ حصے قرار پائے ہیں۔

تمہید

(۱) معارفِ ملت - حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت - سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالب؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت - اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مُرقع۔ ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں۔ لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابل قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے۔ خدا جانے انھیں کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقار شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہوں گی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیوں کر نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ

نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے باایں ہمہ ان کی ضیافتِ طبع کے لیے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے پکچے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا حسبِ صلاحیت ان کو از سرِ نو ملانا یا جُدا گانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصّہ کی متعدّد جلدیں بتدریج شائع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی۔ اُمید ہے کہ اس طرح پر اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح و جلا ہوتی

ہی ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہی ملک کو اردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللہِ۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)
جولائی ۱۹۲۳ء
} محمد الیاس برنی

مَعارفِ ملّت

جلد دوم

فہرست مضامین

[ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اُس کے ذیل میں مضامین متجانسہ درج ہیں]

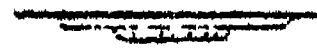
فہرست جلد۳ صفحہ

فہرست جلد ۲

رت
بلد۲

فہرست جلد

فہرست جلد ۲ صفحہ



معارف ملّت

جلد دوم

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱	۲	اور کروں	اور نہ کروں
۱۴	۹	جاتا	جانا
۲۱	۶	فوج میں	فوج کو
۲۳	۲	پڑتی	پڑھتی
۳۲	۳	یہ دونوں	ہم دونوں
۳۶	۱۳	مالک ہیں	مالک تھے
۴۵	۱	میاں	میداں
۴۵	۹	ہیں کھوے	تھیں کھوے
۴۶	۸	بیٹیو	بیبیو
۵۱	۵	کیا جانتے	کیا جانئے
۷۳	۱۵	زمیں تو	زمیں کو تو
۹۲	۵	ملکنوں	مکنوں
۹۷	۱۲	الٰہی کے دفتر	الٰہی کے منظر
۱۰۰	۴	مشرق سے	مغرب سے
۱۰۰	۴	مغرب کا	مشرق کا
۱۰۴	۳	درخشتِ رز	دخترِ رز

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۶	۴	ہے ان کا	ان کا ہے
۱۰۸	۱	وہ اس پہ	وہ اور اس پہ
۱۰۹	۲	لئے ہی	لئے ہیں
۱۱۰	۲	مضمون ہیں	مضموں ہے
۱۱۳	۸	صحرا کے پانی	پانی کے صحرا
۱۱۴	۴	ترا تمعفہ	ترا تحفہ
۱۱۶	۵	ہویدا ہیں	ہویدا ہے
۱۱۶	۵	نمایاں ہیں	نمایاں ہے
۱۳۴	۳	خودگذاری	خودگدازی
۱۳۶	۵	پرانداز	برانداز
۱۳۹	۱	ہلالی دنیا	بلالی دُنیا
۱۴۴	۱۰	چمن پیرو	چمن ہیں پیرو
۱۴۶	۳	آ ملیں گے	آ ملیں گے
۱۴۸	۱۱	وہ بخت	وہ صحبت
۱۵۱	۲	ہاٹ کا ہی	ہاٹ کا یہ ہی
۱۵۳	۲	مورذ الزام	موردِ الزام
۱۵۴	۱۲	ہوہشیار ہو	ہشیار رہو
۱۶۰	۹	بزم جہا	بزم جہاں
۱۶۳	۸	نوائے گداز	نواسے گداز
۱۶۴	۱۰	کس قدرق	کس قدر
۱۶۵	۲	پوشیدہ ہیں	پوشیدہ ہیں
۱۶۵	۷	لاکھوں گنی زیادہ ہے	لاکھوں گنی مہنگی ہے
۱۶۵	۸	سوگوار ہیائے فردا	سوگوار ہیائے ظاہر

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارفِ ملّت

جلد دوم

۱۔ پنجتنِ پاک

محمدؐ رحمۃ للعالمین ہے　　　حبیبِ حق شفیع المذنبیں ہے
رسولِ پاک ختم المرسلیں ہے　　　کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے
لگا تحت الثریٰ سے تا بہ افلاک

محمدؐ اور علیؓ یاقوتِ احمر　　　دُرِ بحرِ حیا خاتونِ اطہر
زمرّد لعل ہیں شبیر و شبّر　　　جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گُہر ہیں پنجتن پاک

نظیر

۲۔ خلفائے راشدین

تھا ابو بکرؓ یارِ غارِ نبی
تھا عمرؓ گرم کار و بارِ نبی

اور عثمانؓ ہے جاں نثارِ نبی
اور علیؓ وہ کہ رازدارِ نبی

میرا حامی ہے پیشوا ہے علیؓ
میرے ہر درد کی دوا ہے علیؓ

ظفر

۳۔ علیؓ

حاجت روائے کون و مکاں ہے یہ نامِ پاک
مفتاحِ قفلِ باغِ جناں ہے یہ نامِ پاک

نقشِ دلِ رسولِ زماں ہے یہ نامِ پاک
ہاں قدسیوں کو وردِ زباں ہے یہ نامِ پاک

ذکر اُس کا کیا وقار جو حاصل ہو فرش پر
یہ نام کردگار نے لکھا ہے عرش پر

انیس

۴۔ حضرت فاطمہ رضؓ

خوشتر ہر ایک شان سے ہے شان فاطمہؓ
بہتر ہزاروں جان سے ہے جان فاطمہؓ

امت نبی کی ہے سبھی قربان فاطمہؓ
ساری جہاں پہ ساری ہیں احسان فاطمہؓ

بیٹی رسول کی ہے وہ مقبولِ کبریا
اکمل کیا خدا نے ہے ایمان فاطمہؓ

بخشش ہمیشہ امت احمدؐ کی رب سے کی
حافظ ہے دو جہان پہ احسانِ فاطمہؓ

حافظ

۵۔ امام مہدی علیہ السلام

اے شاہ دیں پناہ شتابی سے کر ظہور
تا دوست ہو دیں شاد تو دشمن ہوں پائمال

اکثر جو اختلاف ہی دینِ نبی کے بیچ
اس جھگڑے کا تجھ پہ ہے موقوف انفصال

سودا کی آرزو ہے کہ جب تو کرے ظہور
اس کی یہ مشتِ خاک ہو تیری صفِ نعال

رکھے ہمیشہ تری تیغ کارِ کفر تباہ
بحق اشہد ان لا الہ الا اللہ

جدھر کو ہو تو جلوہ ریز پھر ترے آگے
ظفر جو "طرقوا" بولے تو "فتح" پیشِ نگاہ

لد۲

یارب ترا ظہور شتابی ہوتا بدھر روشن ترے جمال سی ہوں چشم مومناں
سودا بجز دعا کے تری کیا ثنا کرے
الکن ہے اس مقام میں جبرئیل کی زباں

سودا

۴۔ حضرت امام حسینؓ

امامِ برحقِ اہلِ رضا سلام علیک شہید معرکۂ کربلا سلام علیک
گلِ مرادِ ولایت حسین ابن علیؓ تتمہ شرفِ مصطفیٰؐ سلام علیک
ثبوت یہ ہی کہ نورِ شہادت کبریٰ تری جبیں سی نمایاں ہوا سلام علیک
عبث ہی اور کہیں راہ صبرِ حق کی تلاش تری مثال ہی جب رہنما سلام علیک
ترے طفیل میں حسرت بھی ہو شہید وفا
یہی دعا ہے یہی مدعا سلام علیک

حسرت

۷۔ براتِ اولیا

ایمان و اتقا ہی نہیں شانِ اولیا
بے حُزن و خوف غیر بھی ہیں جانِ اولیا

اسلام بے مثال ہے اسلام عاشقاں
ایماں بے نظیر ہے ایمانِ اولیا

آئی ہوئی رضائے الٰہی کی ہے برات
سب کربلا میں جمع ہیں مہمانِ اولیا

گلگوں لباس خونِ شہادت پہن کر آج
دولہا بنے گا وہ شہ ذی شانِ اولیا

روشن ہے نورِ صبر سے کوں سے سوادِ شام
تاباں ہے صبحِ عشق درخشانِ اولیا

زنجیر و طوق ظلم کا عابد کو غم نہیں
ہم رنگ بزمِ عیش ہے زندانِ اولیا

صبر و صلوٰۃ عشق سے ہیں سب کے دل قوی
ثابت قدم ہیں سارے مریدانِ اولیا

ہر سو عیاں ہے صبغۃ اللہ کی بہار
رونق پہ ہے خزاں میں بھی بستانِ اولیا

جانیں ہوئی ہیں جن کی رہِ شوق میں نثار
حاشا جو ہوں فنا وہ محبانِ اولیا

حسرت حسین ابنِ علیؓ کا ہوں میں غلام
حاصل ہے مجھ کو فضلِ نمایانِ اولیا

حسرت

۸۔ حضرت امام حسین کا عزمِ سفر

برپا ہے مدینہ میں تلاطم کئی دن سے
ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے

ہر گھر میں ہے اک شورِ تظلّم کئی دن سے　　منہ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی
راتیں کئی گذری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے　　کیا جانئے خط کوفہ سے کس طرح کے آئے
روضہ پہ نبیؐ کے شہِ دیں رہنے نہ پائے　　کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبّت نہ مروت نہ وفا ہے
خط مکر کے لکھے ہیں بلانے میں دغا ہے

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے　　جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے　　چھپ جائیگا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اجالا نہ رہے گا

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر میں　　تاریک ہے دنیا کسی غمگیں کی نظر میں
ہیں جمع محلّے کی جو سب بیبیاں گھر میں　　اک حشر ہے ناموسِ شہِ جن و بشر میں
سب ملکے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مرجاتا ہے کوئی

سب کہتے ہیں زینب سے کہ اے شاہ کی شیدا　　کس طرح کے خطر آئے یکایک یہ ہوا کیا
پانی کی کمی، گرمی کے دن خوف کا رستا　　وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لو اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیر چلے ہیں
بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

منہ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا　　آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا　　لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کملائینگے ماں ہاتھ ملے گی

سنتے ہیں یہ ہر دارد و صادر کی زبانی　　جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی سب خشک ہوا پانی
اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی　　کس طرح جئیں گے اسداللہ کے جانی
تو نسا ہوا بچہ کبھی جانبر نہیں ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے　　کچھ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونیکا ڈر ہے　　رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا دکھ ہو قلق ماں کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرماتی تھی زینب نہیں بہنوں کوئی چارہ قسمت میں تباہی ہو تو کیا زور ہمارا
گھر چھوڑ کے جانا ہے کسی کو بھی گوارا مجبور ہے مضطر ہے یہ اللہ کا پیارا
ایّام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
غربت کی شبیں بادیہ پیمائی کے دن ہیں

انیس

۹- حضرت صغریٰ ساتھ چلنے کی ضد کرتی ہیں

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت تپ کی بھی ہو شدّت میں کئی روز سے خفت
بستر سے میں خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت پانی کی بھی خواہش ہو غذا کی بھی ہو رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہو
اب تو مرے منہ کا بھی مزہ تلخ نہیں ہو

کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا سب سہل ہو کچھ مجھ کو نہیں ہونے کی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سید والا میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب روح مری جسم میں گھبراتی ہو بابا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہو بابا

صحت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دعا سے مر جاؤں گی بچھڑی جو مسیحِ دوسرا سے
بیماری میں جان آئیگی جنگل کی ہوا سے کٹ جائیگا اندوہ سفر فضلِ خدا سے جا

سب ساتھ ہیں رؤنگی نہ غم کھاؤنگی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں کیا تاب اگر مُنہ سے کہوں درد ہے سر میں
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر میں

ہو جانا خفا راہ میں گر روئے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئیگی صغرا

ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر وہ بات نہ ہو گی کہ جو بیچین ہو مادر
لونڈی ہوں سکینہ کی تو سمجھو مجھے دختر دن بھر مری گودی میں رہینگے علی اصغر

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھادو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھادو

انیس

۱۰۔ حضرت امام حسینؑ حضرت صغریٰ کو سمجھاتے ہیں

ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار

کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہی نمودار سب زرد ہی ازمانِ حرارت سی تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سی کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

دم چڑھتا ہی بستر سے اُٹھاتی ہوا گر سر بی بی کہو محمل میں چڑھا جائیگا کیونکر
گھر میں تمھیں پانی کی بھڑک رہتی ہی دن بھر پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسّر
تم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
شب سی ہے یہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

لوں چلتی ہی خاک اُڑتی ہی گرمی کے ہیں ایّام منزل پہ نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارہ ہی جو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مرجائے

گھر میں تمھیں چھوڑوں یہ نہیں دل کو گوارا لیجاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہے تمھارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا مجبور ہوں بے ہجر نہیں اب کوئی چارا
فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اُتروں گا جو منزل پہ تمھیں یاد کروں گا

تھوڑے ہی دنوں ہوئیگی کنبہ سی جدائی پردیس سے آکر تمھیں لیجائینگے بھائی
کی مجھ سے نہ گر کوفہ کی خلقت نے برائی ممکن ہو کہ میں اور کروں وعدہ وفائی
خوش ہونگا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مر جاؤنگا جب میں تو نہ کیا صبر کرو گی

انیس

۱۱- حضرت صغریٰ کی مایوسی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہی گھر میں بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
شکل اپنی شبِ ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آ گئی اُس کو

مُنہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موئے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہ عالم میرے تو کلیجہ پہ چھُری چلتی ہی اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارہ نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

انیس

۱۲۔ حضرت صغریٰ کی زاری و بیقراری

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیامِ اجل آیا ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
چھوڑا ہے مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا کیا خوب مری نخلِ تمنا میں پھل آیا

دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانہ میں نہیں کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہ ہوا ہائے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں ای وائے کنبے کی ہو جو چاہنے والی وہی رہ جائے

بیماری مرمن میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رونے سے اتر جائیگی یہ تپ ہاں درد بھی سر میں مرے ہو نیکا نہیں اب

تڑپوں گی تو جائیگی یہ اعضا شکنی سب بہتر یہی ترکیب ہو نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں

غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن میں

کھوئیگا یبوست کو بھی راتوں کا نہ سونا تفریح مجھے بخشے گا منہ اشکوں سے دھونا

تسکین ہے بالیں پہ عزیزوں کا نہ ہونا تنقیۂ کامل ہے مرے واسطے رونا

راحت سے شب و روز علاقہ مجھے ہوگا

فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی

تڑپوں گی نہ فرقت میں امام دو جہاں کی شفقت مجھے یاد آئیگی بہنوں کی نہ ماں کی

فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا

میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہیں کروں کس کی شکایت بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت

چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت بولیں نہ پھوپی جان بھی کچھ واہ ری قسمت

فرقت کا الم میرے کلیجے پہ چھری ہے

سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بری ہے

۱۳۔ حضرت صغریٰ سے حضرت علی اکبر رخصت ہوتے ہیں

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر کیا مجھ سے خفا ہوگئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ مُنہ رکھ کے وہ دلگیر محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتاری مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ واری مجھے کوئی

پیارے مرے بھیا مرے مہ رو علی اکبر چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبر
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبر ڈھونڈینگی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو علی اکبر
دل سینہ میں کیونکر تہ و بالا نہ رہیگا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہیگا

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بستر نہیں جاتا صحت سی جو ہیں ان میں کہاں ہیر اٹھکا تا
بھیا جواب آتا تو مری قبر پہ آتا ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا
کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہی تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے غم اس کا نہیں زنہار دھڑکا ہی کہ جب ہونگے عیاں موت کے آثار

قبلہ کی طرف کون کرے گا رُخ بیمار یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غمخوار
سانس اُکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی
میں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کروں گی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہو صغرا تری قرباں گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جاں
بیکس مری بچّی ترا اللہ نگہباں صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آں
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
جینے کے لئے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

انیس

۱۴۔ قافلہ کی روانگی

یہ کہہ کے چلے قبرِ حسن سے شہِ مظلوم رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یاران وطن گرد تھے افسردہ و مغموم چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسول عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبی کا

تھا نانا کے تا ملک شہر کے اک شورِ قیامت سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت

رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت پائینگے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت

جلد۲

آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے

دس۱ بیس۲ قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں انھیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ

اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ

اُس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا

یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھری شاہ سدھارے جو صاحبِ حشمت تھے وہ ہمراہ سدھارے

انیس

۱۵ - سفرِ کربلا

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہ سخت پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت

ڈوبے ہوئے پسینوں میں وہ غازیوں کے رخت سنولا گئے ہیں رنگِ جوانانِ نیک بخت

راکب عبائیں چاند سے چہرے پہ ڈالے ہیں

تو سنے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر — صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنج مسافرت میں ہیں سلطان بحر و بر — سب برگ گل سے خشک ہیں چہرے عرق سے تر
آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اٹے ہیں غبار سے

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں — آ پہنچی ہیں ہونٹوں پہ نبی زادوں کی جانیں
سنولائے ہوئے دھوپ میں ہیں خشک زبانیں — اللہ کے جو نور ہیں یوں خاک وہ چھانیں
ہاں کونسی ایذا ہے جو درپے نہیں ہوتی
بے خار الم راہ خدا طے نہیں ہوتی

انیس

۱۶ - ورود میدانِ کربلا

جب طے کیا شہ نے سفرِ راہِ خدا کو — منزل پہ قضا لائی غریب الغربا کو
اک عید ہوئی عاشقِ ربِّ دو سرا کو — بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہے اس پاک زمیں کا
یاں سے نظر آتا ہے چمن خلد بریں کا

مد

اے قافلہ والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے خیمے کرو برپا یہ اترنے کی جگہ ہے
دینداروں کے یہ سر سے گزرنے کی جگہ ہے ہمت جو خدا دے تو یہ مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر تہ افلاک ملے گی
یہ خاک وہ ہے جس میں مری خاک ملے گی

اترے فرسِ خاص سے سبطِ شہ لولاک تھرا کے زمیں زرد ہوئی اڑنے لگی خاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رخِ پاک رومال سے خدام لگے جھاڑنے پوشاک
غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہؓ کے رونے کی آئی

جھونکوں سے ہوا کے جو اڑے پردۂ محمل سینوں میں اچھلنے لگا سیدانیوں کا دل
زینب نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل آفات سے محفوظ رکھے خالق عادل
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آجائے جہاز آلِ نبی کا

زینب نے کہا شاہ سے باگریہ وزاری یہ کونسا صحرا ہے بہن ہوگئی واری
منہ ڈھانپ کے میں رو چکی ہوں یاں کئی باری گھبراتی ہے ڈر ڈر کے سکینہ مری پیاری
بانو کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
کچھ دودھ سے اصغر نے بھی منہ پھیر لیا ہے

زینب سے کہا شاہ نے جو خواہش تقدیر — کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیر
اس دشت کا کیا حال سناؤں تمہیں ہمشیر — کونین میں اس ارض مقدس کی ہی توقیر
گردوں سے ملائک کے اترنے کی یہ جا ہی
تم کو نہیں معلوم یہی کرب و بلا ہی

انیس

۱۷۔ غنیم کی چھیڑ چھاڑ

جب منزل مقصد پہ امام زمن آئے — تھا شور کہ مرنے کو غریب الوطن آئے
جنگل میں عجب شان سے گل پیرہن آئے — مرجھائے ہوئے دھوپ میں نازک بدن آئے
پھولوں سے زمیں بس گئی میدان ستم کی
آنے لگی صحرا سے ہوا باغ ارم کی

فرما کے یہ فراشوں کو عباس پکارے — ہاں خیموں کو برپا کرو دریا کے کنارے
سب لوگ تھکے ماندے ہیں لشکر کے ہمارے — فراشوں نے یاں راوٹوں کے پردے اتارے
ناگاہ نشاں ظلم کے برپا نظر آئے
خیمہ ابھی کھلنا تھا کہ اعدا نظر آئے

میداں سے سواروں نے یہ بڑھ بڑھ کے پکارا   تم کون ہو کیا کام ہے دریا پہ تمھارا
فوج آتی ہے جلدی کرو دریا سے کنارا   ہوگا لبِ جو شام کے لشکر کا اُتارا
ہتھوا نس کے تیغ و سپر اکبر یہ پکارے
کیا بکتے ہو بیہودہ سخن منہ پہ ہمارے
کہتا ہوں میں دیکھو قدم آگے نہ بڑھانا   آساں نہیں شیروں کا ترائی سے اٹھانا
حیدر کے پسر ہیں ہمیں کیا تم نے ہے جانا   قبضے ابھی پکڑیں تو اُلٹ جائے زمانا
کر دیں ابھی یوں زیر و زبر ہفت طبق کو
جس طرح الٹ دیتی ہیں اُنگلی سے ورق کو

انیس

۱۸- قاصد کی خبر

مانند ہوا دوڑ گیا پیکِ صبا دم   پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ مجرئی کو ہوا خم
قائم رہے اقبال شہنشاہِ دو عالم   کوفے کی ہوئی فوج لبِ نہر فراہم
سب چار ہزار اس میں زرہ پوش جواں ہیں
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں

اکبر نے کہا ہوتا تھا کیا فوج میں چرچا تھرا گیا اور سر کو وہ نیوڑا کے یہ بولا
شہزادۂ کونین جو کچھ آپ نے پوچھا ہووے یہ زباں قطع اُسے عرض کروں کیا جلد!!
کہتا تھا یہ لشکر عمر و سعد شقی کا
سر لینے کو آئے ہیں حسینؑ ابن علیؓ کا

عباس لگے کانپنے ہونٹوں کو چبا کر کی تیغ کے قبضے پہ نظر غیظ میں آکر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اُس فوج میں جا کر روکا شہ مظلوم نے چھاتی سے لگا کر
سوچے کہ نہ آداب میں شہ کے خلل آئے
غصّے سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے

انیس

۱۹ - غنیم کی پیشقدمی

تھے مستعد جنگ اسی روز ستمگر روکے ہوئے تھے فوج کو عباس دلاور
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبر آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جائیگا بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموس رسولِ عربی ہے

خیمے میں گئے حضرتِ عباس دلاور حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمہ پہ ستمگر قبضہ پہ اُدھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبر
خاموش ہیں سب حکم امامِ دو جہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں نہیں یاں سے

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے منہ پر کئی بار آ گئے تلواروں کو تولے
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے آقا کے مگر خوف سے کچھ ہم نہیں بولے
نامرد شقی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

انیس

۲۰۔ شبِ شہادت

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اجالا خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اڑتی تھی منہ پر حرمِ شیرِ خدا کے
تھا صحن بجیں فرش بھی جھوکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں تھرّاتی تھیں بچّوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ وحشت سے نہ جائیں کہیں جائیں روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچّوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری غش ہو گئی تھی بالی سکینہ کئی باری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیر کی پیاری یا حضرتِ عباس چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھّے سے جگر میں

تھے دوسرے خیمہ میں ادھر سبطِ پیمبر دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسم تھے اور اک پہلو میں اکبر اکبر کے ادھر لختِ دلِ زینبِ مضطر
شبیر محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباس علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار عباس سے یہ کہتا تھا وہ کل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کفار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو ادھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

جلد

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی ۔ اے چاند ید اللہ کے شب دوپہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی ۔ دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریٔ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

انیس

۲۱۔ حضرت امام حسین کی تلقین

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر ۔ بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے ربّ دو جہاں حاضر و ناظر ۔ اجر اُن کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اس کا ہو وردِ ۔ سفر ہو کہ حضر ہو ۔ موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دکھ میں کہ راحت میں بسر ہو ۔ تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
عشقِ گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگے تیر دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بُوئے اُلفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سُنائے اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کی بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے سجادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و نبی میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

انیس

۲۴ - صبحِ شہادت

جب رات عبادت میں بسر کی شہ دیں نے سجدوں میں تم عشق کی سر کی شہ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہ دیں نے مڑ کر رخِ اکبر پہ نظر کی شہ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
یہ صبح دکھائیگی بھرے گھر کی صفائی
دولت نہ رہیگی نہ بضاعت نہ کمائی
بیٹے سے جدا ہوگا پدر بھائی سے بھائی

آج احمد و حیدر کے گریبان پھٹینگے
اٹھارہ بنی فاطمہ کے حلق کٹینگے

بندہ وہی جو دکھ میں رہے صابر و شاکر
اک جاں ہے سو موجود ہے اک سر ہے سو حاضر
بہتر ہے اٹھے جتنا سبکبار مسافر
یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزل آخر

خلقت ہمیں سر پیٹنے کی روئیگی جہاں میں
اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئیگی جہاں میں

یہ کہہ کے بڑھے بہر تیمم شہ صفدر
جنگل میں اذاں دینے لگا دلبر سرور
وہ صوت حسن اور وہ خوش لحنی اکبر
ہر شخص کو یاد آگئی آواز پیمبر

ہر نخل کو اک وجد تھا اس ظلم کے بن میں
تھا بلبل حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

اکبر کی صدا سنتے ہی زینب یہ پکاری
تا حشر رہے خلق میں آواز تمھاری
قربان موذن کے نمازی کے میں واری
قائم یہ جماعت رہے یا حضرت باری

ہر شام یوں ہی طاعت معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

آگے تھا عبا اوڑھے ہوئے شاہِ حجازی پیچھے تھیں صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی
ابرارِ جہاں فخرِ زماں صفدر و غازی تھی اُن پہ خدا کو نظرِ بندہ نوازی

دنیا میں یہ رتبے نہ کبھی ہونگے کسی کے
معراج میں تھے ساتھ حسین ابنِ علی کے

وہ چاند سے چہرے وہ سپید اُن کی عبائیں وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دعائیں
لہجے وہ عرب کے وہ خوش آیند صدائیں مشتاق تھیں حوریں کہ یہ جلدی ادھر آئیں

اک جوشِ محبت انھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا سب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر

تسبیح و وظائف سے ہوئی جبکہ فراغت حضرت نے پڑھی اُٹھ کے محمدؐ کی زیارت
بس ہو گئی اک مجلسِ ماتم وہ جماعت فرما کے یہ ان سب سے گئے خیمہ میں حضرت

باہر علمِ فوجِ خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

انیس



۲۳ - عونؓ و محمدؓ

بلد۲

پائے کیا حضرتِ زینبؓ نے بھی نایاب پسر گلشنِ مرتضوی کے گل شاداب پسر
مہروش غیرت مہتاب جہانتاب پسر ذی شرف عرش حشم واجب الآداب پسر
طفل ایسے کہ جواں پاس وادب کرتے ہیں
جن کی تعظیم بزرگان عرب کرتے ہیں

ایک ہے ابر کرم دونوں میں اک قلزمِ جود عاشق سبطِ نبی شیفتۂ ربِّ ودود
عونِ ذیجاہ میں ہے حضرت حمزہ کی نمود دیکھتا ہے جو محمدؓ کو وہ پڑھتا ہے درود
یاد آجاتی ہے خالق کے ولی کی صورت
ایک جعفر کی شبیہ ایک علی کی صورت

جن سے گھر مطلع انوار ہے وہ نور العین حرز جانِ پدر و جوشن بازوئے حسین
صفدر و لخت دل فاتح صفین و حنین عاقل و صاحبِ توقیر نجیب الطرفین
جو ہیں رشتے میں نبی کے یہ گہر ایسے ہیں
نام دہتے کا نہیں جن میں قمر ایسے ہیں

وحید

جلد۲

۲۴۔ حضرت زینب کا ارمان

ماں کو حسرت تھی کہ دنیا میں یہ کچھ نام کریں
سرخرو زینب ناکام ہو یہ کام کریں
لشکرِ شام کو رن میں تہ صمصام کریں
سرنثارِ قدمِ شاہ خوش انجام کریں

ہائے کیا شاد ہو دل فاطمہ کی پیاری کا
خلق میں غل ہو اگر ان کی وفاداری کا

گر کبھی تذکرۃً کہتی تھی اُن سے مادر
بارہا لڑتے تھے فوجوں سے اکیلے حیدرؑ
پاس آداب سے رہ جاتے تھے سرنیوڑا کر
جوش جرأت سے بدل جاتے تھے لیکن تیور

جنگ کا شوق جواں مردوں کو تڑپاتا تھا
سینے تن جاتے تھے جب حرب کا ذکر آتا تھا

وحید

۲۵۔ کم سن صاحبزادوں کا جوش شجاعت

نام خدا ہیں عون و محمدؑ بھی کیا شکیل
ایک مہر بے نظیر ہے اک بدر بے عدیل
افروختہ ہیں رخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل

شل علیؓ ہیں جنگ وجدل پر تلے ہوئے
دونوں کے پنجوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

۲

وہ اشتیاق جنگ میں لڑکوں کے ولولے بیتاب تھے کہ دیکھئے تلوار کب تلے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے سب فاطمہ کی بیٹیوں کے گود کے پلے
اک اک رسول حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علی نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کئے یہ نیچے نہ لیویں گے دم بے لہو پیئے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جئے صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لئے
آقا کے آگے لطف ہو تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھئے گا تماشہ لڑائی کا

بچپن یہ خادمان اولوالعزم کے نہ جائیں جب چاہیں معرکہ میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے رکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں بجلی گرے تو منہ پہ جھپک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالئے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالئے

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینبؑ کے دونوں لال کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دم جدال

ہر وقت چاہتے ہیں شبیرِ ذوالجلال نعرے ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اُتری ہے تیغ جن کے لیئے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتی ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چھیڑ جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار شبیر دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آکے عرض کرتے تھے عباس نامدار سنتے ہیں آپ، کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر ایک کے کلام سے
یہ بیچے رہیںگے بھلا فوجِ شام سے

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان یہ بھولے بھولے منہ یہ جوانمردیاں شیان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان چلتی ہے ذوالفقار علی کی طرح زبان
کس دبدبہ سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کے سب دیکھے بھالے ہیں

انیس

۱۷۔ صاحبزادوں کو علم برداری کی تمنّا

زینب کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم

بلدؔ

تائید خدا چاہیے گو عمر میں ہیں کم — عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدر و جعفر کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں یہ دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار تھے نانا بھی علم دار — ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار — ہیں بادشہ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام — مٹ جائے نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی کام
یہ سر ہے نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام — عزت رہی بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاق اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

انیسؔ

۲۷۔ حضرت زینب کی حضرت عباس سے معذرت

بولیں ہو کر متبسم یہ جنابِ زینب — باتیں ان بچوں کی تم نے بھی سنیں شاداب

منہ سے ہاں دونوں کی نکلا تھا لڑکپن کے سبب اعتنا ان کے کلاموں پہ یہ تم سے ہی عجب

جلہ

ذکر یہ کر کے نہ خواہر کو پشیمان کرو

تم بزرگ اچھے ہو۔ کچھ اس کا نہ اب دھیان کرو

مجھ سے ڈر ڈر کے علم کے لیے کہتے تو کہا پھر پشیماں بھی ہوئے سوچ کے کچھ حد سے سوا

معذرت کرتے تھے بھیا ابھی دونوں بخدا تم جب آئے ہو تو چپ ہو گئے یہ ماہ لقا

شاہ سُن لیتے تو پھر شرم سے گڑ جاتی ہیں

خود یہ نادم ہیں۔ نہیں صاف بگڑ جاتی ہیں

دھیان اس وقت کدھر دونوں کا تھا کیا جانے ورنہ آگے مرے لب پہ سخن لیسے آنے

تم تو ماموں تھے کہ خود آئے علم دلوانے اور اس جا یہ کوئی ہو تو بُرا بھی مانے

بے دھڑک بات زباں سے نہیں کہہ دیتے ہیں

پہلے انجام کو بھی دل میں سمجھ لیتے ہیں

اب یہ کیا پہلے بھی کہتے تو سخن کو کھوتے مانتی ہیں نہ کبھی کرتے ضدیں یا روتے

گو کہ ہیں جعفرِ طیار کے دو نوں پوتے یہ علم پا نہیں سکتے ہیں تمہارے ہوتے

عاقل و صفدر و ذی شان و ہنرمند ہو تم

گر نواسے یہ علیؑ کے ہیں تو فرزند ہو تم

جرأت و شوکت و ہمت کی جو کرتے ہو ثنا — حسنِ تعلیم تمہارا ہے یہ خواہر ہو فدا
کیونکہ اس سن میں سکھادی ہیں یہ باتیں بھیا — طفلِ ننھی سی جانوں کی ہیں دنیا سے جدا

غیرِ شمشیر زنی اور نہیں کام کی بات
جان سے جیتے ہیں کہ ہم سے ہو کوئی نام کی بات

دو ورانداز تیلیاں دونوں کی بیاں جن کیا کیا — شوقِ ناوک فگنی کا ہی انہیں حد سے سوا
روز معمول ہی برچھوں کے ہلانے کا سدا — مشقِ جوہر زنگ کی بھی ہوتی ہی اب تو مرے خدا

بات جو ہی قد و قامت سے سوا کرتے ہیں
زورِ فولاد کی ڈھالوں پہ ہوا کرتے ہیں

سامنا فوج کا ہی پر نہیں کچھ فکر و ہراس — زخم کھانے کی تمنا میں نہ ہی بھوک نہ پیاس
عازمِ جنگ ہیں بے خود و زرہ بے وسواس — قول یہ ہی کہ کوئی دور کا حربہ ہو نہ پاس

آڑ کو ننگ سمجھتے ہیں نئی جرأت ہے
کام تیغوں سے ہے ڈھالوں سے انہیں نفرت ہے

بعض بچپن کی وہ باتیں ہیں کہ روتوں کو ہنسائیں — ولولے یہ ہیں کہ ہم ثانی حیدر ہو جائیں
ننھے ہاتھوں میں اگر زورِ یداللّٰہی پائیں — توڑنے کو درِ خیبر بھی کہیں سے لے آئیں

جلد ۲

دیو سا جسم لیے ضرب گراں بھی ڈھونڈیں

معرکے میں کوئی مرحب سا جواں بھی ڈھونڈیں

سن چکے ہیں یہ فسانے تو یہ دونوں اکثر　　یعنی خیبر یہ علم لے کے گئے تھے حیدر

یہ تو تقلید ید اللہ پہ باندھے ہیں کمر　　دھن علمداری کی ان کو بھی نہ ہوتی کیونکر

بہر منصب کبھی بیخود نہ کوئی ایسا ہو

ہٹ بھی وہ کرتے ہیں جو سن کے لیے زیبا ہو

نازبرداریاں اس درجہ ہیں بچوں کی ستم　　گر کوئی بات نہ ممکن ہو تو پھر کیا کریں ہم

میں بھی اس ضد پہ کبھی بیٹے نہ دوں گی یہ علم　　اب نہ اس باب میں کچھ کہیو مرے سر کی قسم

آج ہٹ ان کی جو رکھ لوں تو قیامت ہو جائے

کل کو اس بات پہ مچلیں کہ امامت ہو جائے

مڑ کے بیٹوں سے یہ کہنے لگیں با دیدۂ تر　　کیا کھڑے کرتے ہو قدموں پہ رکھو ماموں کے سر

جوڑ کر ہاتھوں کو جھکنے لگے وہ رشکِ قمر　　جلد عباس نے چھاتی سے لگایا بڑھ کر

شفقت آمیز سخن منہ سے مکرر نکلے

اپنے ہمراہ لیے خیمہ سے باہر نکلے

وحید

۲۸- صاحبزادوں کی طلبِ اذنِ جنگ

لدٓ

ناگاہ ہوا شور بپا رزطلبی کا پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
مُنہ سُرخ ہوا غیظ سے ہمشکل نبی کا رایت بھی بڑھا فوجِ رسولِ عربی کا
حیدر کے نواسوں کے بھی ابرو پہ بل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا

گھبرا کے پکارے جو انہیں سیدِ ابرار بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرار
کی عرض بصد عجز کہ اے کل کے مددگار ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
بیتاب ہیں دل جان مصیبت میں پڑی ہے
اے نورِ خدا ذرہ نوازی کی گھڑی ہے

حضرت یہ ہی روشن جو ہمارا ہے ارادہ سن کم ہے پہ ہمت ہی جوانوں سے زیادہ
نانا تو علی جعفرِ طیار ہے دادا ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سی فردوس کا جادا
شیروں کی طرح بیشۂ حیدر میں پلے ہیں
تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

وہ تیغ کے مالک ہیں تو مختار ہیں ہم بھی دادا کی طرح مرنے پہ تیار ہیں ہم بھی

نانا تھے جو کرّار تو جرّار ہیں ہم بھی — سر دے کے شہادت کے طلبگار ہیں ہم بھی

حلیۂ

ہے جوشِ وفا عمر کے پیمانے بھرے ہیں

ہم صبح سے سر نذر کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

بسمل جو ہوئے مسلم مظلوم کے پیارے — ہم خیمہ میں جا سکتے نہیں شرم کے مارے

اماں نے کہا ہوگا کہ ابتک نہ سدھارے — جانوں کو بچاتے ہیں جگر بند ہمارے

قاصر ہیں جو توقیرِ شہادت نہیں ملتی

کیا جانے اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

عورت ہیں یہ جو بوشہ مرداں کی ہے ساری — شب کو بھی یہ فرمایا تھا ہم سے کئی باری

تم یہ نہ سمجھیو کہ میں عاشق ہوں تمہاری — بھائی سے مجھے جان نہ اولاد ہے پیاری

کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کرو گے

تب دودھ میں بخشوں گی جو عزت سے مرو گے

ہم آپ سے مرنے کے لیے جا نہیں سکتے — زخمِ تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے

بے حکم جو مطلب ہے اُسے پا نہیں سکتے — آداب سے کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے

ہم پیچھے رہیں سب سے یہ تقدیر ہماری

ہاتھ آپ کے ہے عزّت و توقیر ہماری

۲۹۔ حضرت زینبؑ دونوں صاحبزادوں کو رخصت کرتی ہیں

حضرت زینب کے دونوں کم سن فرزند عون و محمدؑ بہت اصرار کے بعد اپنے ماموں حضرت امام حسین علیہ السلام سے میدان جانے کی اجازت حاصل کرتے ہیں والدہ لڑکوں کی تاخیر سے بدگمان اور بے چین ہو رہی ہیں۔ حتیٰ کہ دونوں بھائی جھگڑتے آتے ہیں کہ میدان میں پہلے کون جائیے۔ اماں فیصلہ کر کے ہمت بڑھاتی ہیں

ماموں پہ یہ آفت ہے اور انکو نہیں کچھ دھیان
اب صدقے نہ ہوئینگے تو کب ہوئینگے قربان

ماں باپ کے بچے تو سدھارے سوئے میدان
ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں نادان

شب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھسے
ہاں دودھ انھیں باتوں پہ بخشاتے تھے مجھسے

وہ کیا تھا جو دونوں ہیں کیا کرتے تھے تقریر
ہو جائیں گے ہم پہلے نثارِ سرِ شبیر

اب کیا ہے جو مرجانے میں کرتے ہیں وہ تاخیر
شرمندہ ہوئی بھائی سے یہ ہے مری تقدیر

وہ جلنے نہ دیتے تھے اگر فوج ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر

اچھا کیا جو کچھ کیا۔ مرنے کو نہ جائیں — پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں — مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اٹھائیں (جلد)

پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مر گئی آباد کریں باپ کے گھر کو

دل ہی یہ بیاں کرتی تھی زینب جگر افگار — اتنے میں پسر آکے گرے قدموں پہ اکبار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عرض بہ گفتار — یہ بھائی ہیں مادر مجھے پیٹھ ہی دیتے سے تکرار

میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

کب تک میں بھلا رنج عزیزوں کے اٹھاؤں — سمجھائیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
زخم تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں — اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں

مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑ لیے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

یہ سن کے جو خاموش ہوا عون خوش اطوار — صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا اک بار — کی عرض سنا آپ نے اے مادرِ غمخوار

کیا جانے کس بات پہ ہم سے یہ خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

ہمنے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی منہ نہیں موڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
ٹھیرا کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا

ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوڑیں جو اب اس کاٹ بے بھائی کو کیا دیں
اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں
میدان سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں

جانبازوں کے نزدیک نہیں ملک عدم دور
نہ فوج ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

دنیا میں کوئی اور بھی ہم سا ہے دلاور
ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
اک حملے میں گر ہم نہ الٹ دیں صف لشکر
پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر

شہ کے قدم پاک پہ سر دیکے پھرینگے
یا رن سے سر شمر و عمر لے کے پھرینگے

خاطر تو نہ ان کی نہ مری کیجیے مادر
انصاف سے فرمائیے از بہر پیمبر

کس طرح کہوں میں کہ چلے جائیں برادر　　چھوٹا تو جیے اور بڑا بھائی ہو بے سر
جلد

بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ پلے ہیں
کیسی ہے یہ الفت کہ ہمیں چھوڑ چلے ہیں

بیٹوں کے سخن سن کے یہ کہنے لگی زینب　　ہاں دیر کا باعث یہی تھا مجھ پہ کھلا اب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب　　ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمھیں کب

جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے
کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

آپس کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو　　جھگڑا ابھی چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو
ماموں کے جو دشمن ہیں انھیں گھیر کے مارو　　سرداروں کے سر چھوٹی سی تیغوں سے اتارو

باندھی ہے کمر دونوں ستمگاروں نے شر پر
اک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پر

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیر اجل آئے　　چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
قاصر نہ ہو ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے　　چھاتی نہ ہٹے سینہ پہ برچھی کا جو پھل آئے

لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

نعرے کرو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے — جل جائے وہ صف، وار جدھر تیغ کا چل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے — مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے
لشکر پہ حبیب ور اس چڑھتے جائیو، واری
روتے ہوئے اعدا کو بڑھتے جائیو، واری

شیروں کے لیے ننگ ہی تلوار سے ڈرنا — میدان میں تن تن کے سپر سینوں کو کرنا
ہر زخم پہ دم الفتِ شبیر کا بھرنا — قربان گئی جینے سے بہتر ہے یہ مرنا
دنیا میں بھلا عزتِ اسلام تو رہ جائے
تم جیتے رہو یا نہ رہو نام تو رہ جائے

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں — سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہی دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہی دیکھوں — ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہی دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھونگی لڑائی کا تماشا

انیس



۳۔ صاحبزادوں کی روانگی

دو روز کے پیاسو تمھیں اللہ کو سونپا
حیدر کے نواسو تمھیں اللہ کو سونپا

ماں صدقے بزرگوں کا چلن بھول نہ جانا   سیکھے ہو جو کچھ جنگ کا فن بھول نہ جانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا   جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا

وہ کہتے تھے جرأت تو خدا داد ہے اماں
تشویش نہ کیجے ہمیں سب یاد ہے اماں
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں
گہوارۂ اصغر پہ ہمیں واریو اماں

یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے   گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
تن تن کے رکھے کاندھوں پہ جو بچوں نے بھالے   ماں کہتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے

رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ خوش رو   دل ماں کا یہ امڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو

۲ باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینب خوش خو
میدان کی طرف یاس سے منہ رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

انیس

۳۱- صاحبزادوں کی جانبازی

(عون و محمدؑ غنیم پر حملہ کرتے ہیں)

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہونچے جو بہادر فوج ستم آرا ہوئی سب غرقِ تحیر
اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہوّر
کیا جانیے کیا نام ہیں ان کے اب و جد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اسد کے

برچھی لیے انبوہ سواروں کا جب آیا شہزادوں نے راتوں میں سمندوں کو دبایا
اک شور ہوا غیظ طلیموں کو اب آیا وہ نیمچے بجلی سے جو چمکے غضب آیا
آخر وہ جری لختِ دلِ ضیغمِ دیں تھے
سر تھے صفِ اول کے کہیں جسم کہیں تھے

جانبازیاں سے کھلاتی تھی میداں میں وہ جانباز — دل تھامے ہوئے دیکھتے تھے شاہ سرافراز
قاسم کا سخن تھا کہ علی کا ہے سب انداز — فرماتے تھے اکبر یہ لڑائی ہے کہ اعجاز
بڑھتے تھے کبھی گاہ سرک جاتے تھے عباس
جب وار وہ کرتے تھے پھڑک جاتے تھے عباس

ہر بار صدا دیتے تھے اے گیسوؤں والو — کیا کہنا ہے پھر بڑھ کے یہی ہاتھ نکالو
رہوار بڑھے جاتے ہیں باگوں کو سنبھالو — حلقہ ہے کڑی آنکھ زرہ پوش پہ ڈالو
اب ہٹنے کی مہلت مری جاں ان کو نہ دینا
منت بھی کریں گر تو اماں ان کو نہ دینا

سیدانیاں دروازوں پہ ہیں کھولے ہوئے سر — اصغر کو لیے کانپتی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشان کیے منہ خیمہ کے باہر — پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے دعا کرتے ہیں دونوں

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں اڑتے ہوئے گیسو — وہ تیغے بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لیے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفا جو — وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو

جلد ۲

بہتا ہی لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

زینب نے کہا دونوں ہیں یکجا کہ جدا ہیں — کی عرض یہ رو کر کہ نہیں ایک جگہ ہیں
لاکھوں ہیں عدو اور وہ دو ماہ لقا ہیں — منہ نہر سے پھیرے ہوئے سرگرم وغا ہیں

دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں اب تو
ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

یہ سنتے ہی ڈیوڑھی سے ہٹیں حضرت زینب — فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
اب کچھ نہیں جز اس کے برآیا مرا مطلب — لو بیٹیو مل کر صفِ ماتم یہ چلو اب

بچے مرے داخل ہوئے خیلِ شہدا میں
سجدہ تو کروں شکر کا درگاہِ خدا میں

انیس

۳۲- صاحبزادوں کی شہادت

جلد عباس نے شاہ کو بلا کر یہ کہا — نیند کیسی ہے یہ اے لاڈلو میں تم پہ فدا
کس کے زانو پہ یہ سر اس وقت ہے دیکھو تو ذرا — وقت غفلت کا نہیں ہوش میں آؤ بیٹا

آنکھ کھولو کہ شہِ عرش مقام آئے ہیں
تربت میں کرلو زیارت کہ امام آئے ہیں

جلد ۲

غش سے چونکے یہ صدا سنتے ہی وہ غیرتِ ماہ
کی نظر صلِ علیٰ کہہ کے سوئے چہرۂ شاہ
جوڑ کر ہاتھ یہ کی عرض کہ اے عرش پناہ
حال باقی نہیں مجبور ہیں خادم واللہ

کیوں دمِ مرگ غلاموں کو خجالت ہوتی
پھرتے گرد آپ کے اُٹھنے کی جو طاقت ہوتی

گرچہ اس وقت بہت پیاس سے مضطر ہیں غلام
آرزو پانی کی لیکن نہیں یا شاہِ انام
ہم سے اماں نے کیا تھا دمِ رخصت یہ کلام
دودھ تب بخشوں گی جب تشنہ دہن ہو گے تمام

جانفشانی کا ہمیں آپ صلا دیجیے گا
دودھ بخشیں یہ انھیں یاد دلا دیجیے گا

کھلکے یہ غش ہوئے زانو یہ وہ گودی کے پلے
نبضیں ساقط ہوئیں منہ کھل گئے منکے بھی ڈھلے
روئے اکبر بھی علمدار نے بھی ہاتھ ملے
شاہ چلائے کہ ہے ہے مرے جانباز چلے

ہچکیاں آتے ہی ہیجان ہوئے آخر دونوں
اُٹھ گئے منزلِ ہستی سے مسافر دونوں

وحید

جلد۲

۳۳- عون و محمد کی میتیں

بہن کے بیٹوں کی لاشیں جو گھر میں لائے حسینؑ
بپا ہوا حرمِ مصطفےٰ میں شیون و شین
جگر خراش نبی کے نواسیوں کے وہ بین
کہ جن کے بین سے تھے ساکنِ فلک بے چین
چھپے نگاہ سے نورِ نگاہ زینب کے
غروب ہو گئے دو مہر و ماہ زینب کے

تمام بیبیاں تھیں سینہ زن بدیدۂ تر
جھکی تھیں دونوں کی لاشوں پہ زینبِ مضطر
پکارتی تھیں یہ رُخ کی بلائیں لے لے کر
امامِ دیں کے غلام ہو، یہ ماں فدا تم پر
نثارِ شاہ پہ ہوں، کی یہ جستجو تم نے
کیا بتول سے اماں کو سرخ رو تم نے

ہوئے شہیدوں میں داخل ہزار شکرِ خدا
خوشی ہے تم سے مرا دل ہزار شکرِ خدا
جناں کی طے ہوئی منزل ہزار شکرِ خدا
تمھاری حل ہوئی مشکل ہزار شکرِ خدا
سنوں میں چھوٹے تھے لیکن شرف بڑا پایا
شہید ہو کے بزرگوں کا مرتبا پایا

نفیس

جلد

۳۴ - عبرت

مجلس تھی جن چراغوں سے روشن وہ کیا ہوئے
ہر وقت جن کا چشم تھا مسکن وہ کیا ہوئے

جن گلرخوں سے بزم تھی گلشن وہ کیا ہوئے
جو لعل و دُر تھے زینتِ دامن وہ کیا ہوئے

جن کی جگہ تھی دل میں مقام اُن کا خاک ہے
یہ میں کفن ہے زیرِ کفن خاکِ پاک ہے

اس کشت روزگار میں تخمِ بقا نہیں
اس بحر کے صدف میں دُرِ مدعا نہیں

اس بوستاں کے پھولوں میں بوئے وفا نہیں
اس بزم کے چراغوں میں نور و ضیا نہیں

گھر کونسا ہے کہ جو ویراں نہ ہو گیا
گل کونسا کھلا جو پریشاں نہ ہو گیا

انیس

۳۵ - حضرت عباس کا جوش محبت

بھائی کے لیے جی سے گزر جاتا ہے بھائی
جاتا ہے برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی

کیا بھائی ہے تیغوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی
آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مر جاتا ہے بھائی

نعشیں بھی ہم زیر زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبریں بھی ہیں مرگ قریں ہوتی ہیں اکثر

عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارہ — بلبل کو نہیں گل کی جدائی سے گوارا
قمری کو بجز سرو چمن کون ہے پیارا — گردن سے کبھی طوق غلامی نہ اتارا

سر تن سے جدا ہو یہ نہ جانا نہ جدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

فرزند محمدؐ ہے مرا مالک و مختار — فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں ہوا
کہہ دیں تو ابھی کود پڑوں آگ میں اکبار — گر حکم وغا دیں تو کروں لاکھوں سے پیکار

رستم ہوں تو ان کا ہوں جو صفدر ہوں تو ان کا
بندہ ہوں تو ان کا جو برادر ہوں تو ان کا

۲ انیس

۳۶۔ حضرت عباس کی روانگی

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرت عباس — سب بولے کہ لو اور بھی سر در ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب یہ بصد یاس — کیا کہتی ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاس

منہ شہ سے وہ موڑینگے نہ مانونگی کبھی میں
جلد
عمو مجھے چھوڑینگے نہ مانوں گی کبھی میں

میں جتنی ہوں کیا ایسا چلا جاتا ہے آساں — دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
عباس کی زوجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں — جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں

کیا جانتے واں مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی — رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی — جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی سے بھائی

چلائی کہ سمجھی میں جہاں چھپ کے چلے تھے
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے

بتلائے جاتی ہے کدھر آج سواری — اس پیاس میں بی واہ خبر خوب ہماری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری — کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتی ہیں زاری

بر میں ہے زرہ، تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

عباس پکارے میں اس آواز کی قرباں — ہم جاتے ہیں پانی کیلیے آؤ مری جاں

دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں — میں گھر سے تمہیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں

بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے

صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

پانی کے لیے واں تمہیں ہاتھ سے کھوؤں — میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں

شب ہوتی ہے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں — اب روتی ہوں پانی کیلیے پھر تمہیں روؤں

ہے سینۂ شبیر ہی کا رولاتا نہیں پیاسا

پیاس ابھی ہے پر آپ کا جانا نہیں بھاتا

عباس نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ — بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ

قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ — تم بھی پیو اصغر کو بھی جلدی سے پلاؤ

نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا

تم پیاس بجھاؤ تو جگر سرد ہو میرا

کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر — کیا کہتے ہیں سنتے ہو چچا جان کی تقریر

حضرت نے کہا ہم نہ کہیں گے کسی تدبیر — اب مشک بھی لا دو انہیں خواہش ہے تو تقدیر

روکو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے ان کو

سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

سنکے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم　　آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم　　عباس چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمہ کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

انیس

۳۷۔ حضرت عباسؓ کی یاد

دریا سے ہوا سرد جو آنے لگی اک بار　　فرمانے لگے کانپ کے عباس علمدار
اے بادِ صبا یاں نہ اِدھر آئیو زنہار　　اک تیر سا ہوتا ہے کلیجے کے مرے پار
دم بند ہے گرمی سے ولی ابن ولی کا
وہ دھوپ میں خیمہ ہے حسینؓ ابن علیؓ کا

ایام رضاعت میں ہیں بچے کئی پیاسے　　دریا کی ہوس لب پہ ہے کچھ کام ہوا سے
شبیر پہ صدقے ہوں دعا ہے یہ خدا سے　　کوثر پہ ملاقات ہو جلد شہدا سے
سب آتش غم سے [illegible]
دریا کی [illegible]

وہ پھول سے بچے تو ادھر پیاس سے مرجھائیں
منصف ہو کہ ہم خاک ترائی کی ہوا کھائیں
اس نہر کے پانی کو نہ ہونٹوں کے قریں لائیں
لب بند ہی رکھیں جو تڑپتے ہوئے مر جائیں
کوثر کی نہ جانب ہوں نہ دریا کی طرف ہوں
دم نکلے تو آنکھیں شہِ والا کی طرف ہوں

مونس

۳۸۔ حضرت عباس کی معرکہ آرائی

چلایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب
دینگے زبانِ تیغ سے ہم آپ کو جواب
بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب
پھر کس لیے ہے بیعت حاکم سے اجتناب
خیموں سے گھٹنیوں اگر اصغر بھی آئے گا
جز آبِ تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

یہ سن کے لی نیام سے تیغ شرر فشاں
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظِ زماں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
دہشت سے تھرتھرا گیا مریخِ آسماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غل تھا کہ فوجِ شام کا دفتر الٹ گیا

بجلی چمک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پار   پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
زیرِ زمیں تو گاوِ زمیں کو نہ تھا قرار   تھرا رہا تھا شیرِ فلک وقتِ گیر و دار
غل تھا علی کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
جبریل کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے

ڈھالوں سے شامیوں کے ادھر چھا گئی گھٹا   دریا پہ جھوم جھوم کے بس آ گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ شرما گئی گھٹا   بارانِ تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
کشتوں کو اپنے فوجِ عدو روندنے لگی
جنگل میں برقِ قہرِ خدا کوندنے لگی

چمکی جو تیغ آمدِ قہرِ خدا ہوئی   سر پر جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
سینے سے روح، جسم سے گردن جدا ہوئی   خوں میں ڈبو چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی
باڑھ اس غضب کی وار وہ اس زور شور کا
دشمن کو اس کا گھاٹ کنارہ تھا گور کا

گرتی تھی کوند کر جو وہ تیغِ شرارہ ریز   دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کو جائے گریز
چلنے میں تیغ تیز، فرس تیز، ہاتھ تیز   رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامۂ ستیز

کشتہ تھے ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں
ششدر تھی سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں

کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہنچ گئی
سر پر پڑی تو سینہ کے بر تک پہنچ گئی
سینے سے مثالِ برق جگر تک پہنچ گئی
پی کر لہو جگر کا کمر تک پہنچ گئی
بڑھ کر کمر سے زین پہ آئی سمند کے
ٹکڑے گرے تھے کہ یہ تیغے تھی تنگ کے

نکلا ادھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا
پیدل ہوا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا
کوسوں لہو سے دشت ستم لالہ زار تھا
بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
سر یوں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے

انیس

۳۹۔ شہادتِ حضرت عباس

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار
صدقے میں ترے اے مرے لشکر کے علمدار
مجروح جو تھی تیروں سے ہر چشمِ گہربار
عباس نے آنکھوں کو نہ کھولا گیا تہار

دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امام دو جہاں کے

جلد

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے ہٹاؤ
عباس ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گو ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

عباس نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر
کتنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقتِ تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیر
امید یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مرے روئے خلفِ شاہِ نجف ہے
اس وقت تلک منہ مرا قبلہ کی طرف ہے

سب کام مرے آپ کے صدقے میں بن آئے
وہ فاطمہ آئیں شہ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسن آئے رسولِ زمن آئے
سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلد بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

انیس

جلد۲

۴۰ حضرت علی اکبر کی طلبِ اذنِ جنگ

(علی اکبر حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت بانو سے
رخصت ہو کر میدانِ جنگ کو سدھارتے ہیں)

اتنے میں کمر باندھ چکے اکبرِ جرار — سینے میں دھڑکنے لگا بانو کا دلِ زار
فرزند کا منہ تکنے لگے سیدِ ابرار — ہمشکلِ پیمبر ہوئے رخصت کے طلبگار
ہاتھوں سے کلیجا شہِ بے پر نے سنبھالا
گرنے جو لگی ماں علی اکبر نے سنبھالا

فرمایا پدر صدقہ ہوئے اکبرِ ذیشان — کیا کہتے ہو رخصت کسے کہتے ہیں مری جان
دم کس میں ہے دے کون تجھیں رخصتِ میدان — دنیا سے یہ شبیر کی رحلت کا ہے سامان
ماں باپ چراغِ سحری ہیں علی اکبر
ہم تم سے بھی پہلے سفری ہیں علی اکبر

تم ہوتے تو یہ ہوتا کہ لاشے کو اٹھاتے — اور قبر ہماری اسی جنگل میں بناتے
ہم غسل و کفن ہاتھ سے فرزند کے پاتے — اس وحشت میں مرتے تو بھلا دھوپ نہ کھاتے
مرضی جو تمھاری نہیں بس باپ کا کیا ہے
کچھ غم نہیں پر خیر ہمارا بھی خدا ہے

بقیہ

جلد

۱۴۔ حضرت علی اکبر کی سپہ گری

یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر نرینہ
پہنچا تھا جسے زورِ علی سینہ بسینہ
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ
شدید پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ

یوں سینہ کشادہ گئے اُس عہد شکن پہ
جس طرح جھپٹتا ہے کہیں شیر ہرن پہ

زن سے جو وہ تلوار گئی سن سے پھر آئی
وہ خود سے ملتی ہوئی گردن سے پھر آئی
وہ کھینچ کے سپر سے گئی جوشن سے پھر آئی
وہ صدر سے خالی گئی توسن سے پھر آئی

ہاں بعد علی کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غل تھا کبھی دیکھی نہیں ردّ و بدل ایسی

غصے میں عمر سفاک نے کی رخش کو مہمیز
شہزادے کے گھوڑے کی قریب آ گیا شبدیز
بس تھام لی اکبر نے عنانِ فرسِ تیز
جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز

ہوش اڑ گئے اس بانی بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے

تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا
چاروں سُم رہوار کٹے صاف قضارا

گھوڑا جو گرا دشت ستم ہل گیا سارا بس چور ہوا پسلیں کے فرس سے ستم آرا

دکھلا دیا صفدر نے جو ارشاد پدر تھا

نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

انیس

۴۳۔ شہادتِ حضرتِ علی اکبر

لے آئی جو بیتابیِ دل لاشِ پسر پر جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر

اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پر سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر

اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا

بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں منہ پہ عرق خاک پہ گیسو پتھرائی ہوئی آنکھ کٹے تیغوں سے ابرو

گردن تو کج اور چھدا اک تیر سے پہلو چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو

یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے

نزدیک اجل آگئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کہ شہِ بحر و بر آلیں لے جان نہ گھبرا شہِ جن و بشر آلیں

اے روح توقف شہ والا ادھر آلیں ۔ اے موت ٹھہر جا پدر آلیں پدر آلیں

ارمانِ دلِ زار پسر ہوش میں نکلے

حسرت ہے کہ دم باپ کے آغوش میں نکلے

چلائے شہ دیں علی اکبر پدر آیا ۔ اٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا

تم ڈھونڈتے ہو اے مہ انور پدر آیا ۔ ناشاد و پریشاں سے پیاسے پدر آیا

کچھ دل کی کہو بات کرو ہوش میں آؤ

صدقے پدر آؤ مرے آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں ۔ گر درد نہ ہو ہاتھوں سے بازو کو سنبھالوں

گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سنبھالوں ۔ مرتے ہوئے دیکھوں تجھے آغوش میں پالوں

بہہ بہہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا

سینے سے کلیجہ نظر آتا ہے تمہارا

اکبر نے سنی غش میں جو یہ باپ کی زاری ۔ بیتابی شبیر پہ آنسو ہوئے جاری

رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہے ہماری ۔ سینے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری

اکبر کو سکینہ کو برادر کو نہ دیکھا

افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا

یاں آئے ہیں لینے کو مرے خلد سے حیدر
کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغر کوثر
دادی مرے پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر
اور شور ہے حوروں میں کہ ہے ہے علی اکبر
ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی
آتی ہے صدا گریۂ محبوبِ خدا کی

انیس

۳۴۔ شہادتِ حضرتِ علی اصغرؑ

چھٹتے ہی حلق بچے کا چھیدا جو تیر نے
گھبرا کے غش سے کھول دیں آنکھیں صغیر نے
کیا سِن تھا تیر کھاتے ہی بچا بلک گیا
سوکھے گلے میں خون بھرا، دم اٹک گیا
تڑپا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سرک گیا
ٹوپی گری زمین پہ، منکا ڈھلک گیا
ننھی کلائیوں میں تشنج سے بل پڑے
ہچکی جو آئی منہ سے انگوٹھے نکل پڑے
منہ آسماں سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا
دیکھا کہ پار حلق سے تیرِ جفا ہوا
بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا
اور دیکھتا ہے جیسے کہ کوئی ڈرا ہوا

آنکھیں پھرائے دیتے ہیں تیور بدلتے ہیں
آگے تو دودھ اگلتے تھے اب خوں اگلتے ہیں

جلد

دبیر

۴۴ حضرتِ امام حسینؑ کی تیاری

دولتسرا میں شورِ وداعِ حسینؑ ہے — مشتاقِ مرگ فاطمہؑ کا نورِ عین ہے
راحت نہ روح کو نہ کسی دل کو چین ہے — فریادِ والفراق کا غل جانبین ہے
جانکاہ آرہی ہیں صدائیں بتول کی
تھرا رہی ہے قبر جنابِ رسول کی

پیدا ہیں تحت و فوق سے آثارِ درد و غم — ہے اشکبار سر کو دھرے لوح پر قلم
صدمے سے آفتاب کو رعشہ ہے دمبدم — بارِ الم سے ہے کمرِ آسماں بھی خم
بیتاب ہے زمیں کہ امامِ زماں چلا
جنات جاں بلب ہیں کہ جانِ جہاں چلا

غل قدسیوں میں ہے کہ قیامت قریب ہے — لٹتا ہے اس کا گھر جو خدا کا حبیب ہے
حوروں کی قصرِ خلد میں حالت عجیب ہے — کہتی ہیں بے قصور حسینؑ غریب ہے

یارب اُجاڑ دے چمنِ روزگار کو
گھیرے ہیں خار فاطمہ کے گلعذار کو

جاتا ہے سر کٹانے کو شاہنشہِ زمن
رخصت بہار کی ہے اُجڑتا ہے اب چمن

لختِ جگر کے غم سے جو ہے سیدہ کو محن
ہے گُل کی طرح جسم میں صد چاک پیرہن

داغِ الم ہزار دلِ ناتواں میں ہیں
لیکن گُلِ سہ شاخہ ہیں تیر دہاں میں ہیں

لٹتا ہے آج تیغ سے گلزار مصطفےٰ
نرگس ہے نہ سرو نہ پودھا کوئی بچا

کلیاں وہ ٹوٹیں منہ بھی نہ چین کے ہوئے تھے وا
سوکھیں وہ کونپلیں نہ لگی تھی جنہیں ہوا

ماتم بپا ہے خیمۂ آلِ رسول میں
بس اک ہی ہے پھول ریاضِ بتول میں

شہ کہتے ہیں کہ شکر کرو غم نہ چاہیے
خاصانِ حق کا دکھ میں یہ عالم نہ چاہیے

بہتر یہ ہے کہ چشم بھی پُر نم نہ چاہیے
آج امتحانِ صبر ہے ماتم نہ چاہیے

ہم دیدِ خدا کے عشق میں سر اشتیاق ہے
تم کو بھی تو صدمۂ تیغِ فراق ہے

صابر رہو کہ مرتبہ صابر کا ہے جلیل
حامی کوئی نہیں ہے تو اللہ ہے کفیل

راہِ خدا میں تشنہ دہن ہو گئے ہم قتیل — بخشش کی عاصیوں کے نکالی ہے یہ سبیل

بہنا زمیں پہ خون شہِ خوش صفات کا

اُمت کے واسطے ہے بہانا نجات کا

فرما کے یہ بڑھے جو شہِ آسماں جناب — ہمشیر پیٹنے لگی دل کو رہی نہ تاب

دیکھا بہن کا حال تو آنکھیں ہوئیں پُر آب — تھم کر کہا تمھیں نہیں لازم یہ اضطراب

روکوں کسے کہ پئے صبر و رضا کہوں

مضطر جو صابرہ ہو تو اوروں کو کیا کہوں

سمجھا تھا میں کہ دُکھ میں نہ گھبراؤ گی بہن — لب پر ہراس کے نہ سخن لاؤ گی بہن

رانڈیں بُکا کریں گی تو سمجھاؤ گی بہن — رو رو کے جان دو گی تو کیا پاؤ گی بہن

قسمت سے اپنا زور چلے یہ محال ہے

زینب اجل کا وقت ٹلے یہ محال ہے

ہر شخص کو جہاں سے گزرنا ہے ایک دن — بحرِ فنا سے پار اُترنا ہے ایک دن

منزل یہ وہ ہے طے جسے کرنا ہے ایک دن — گر عمرِ نوح بھی ہو تو مرنا ہے ایک دن

عاقل وہ ہی خیال جو رکھے گا موت کا

جو نفس ہے وہ ذائقہ چکھے گا موت کا

باقی رہا نہ کوئی ہمیر تو میں ہوں کیا	شیرِ خدا لہو میں ہوئے تر تو میں ہوں کیا
صدمے اٹھا کے اٹھ گئیں مادر تو میں ہوں کیا	دم میں تڑپ کے مر گئے شبر تو میں ہوں کیا

خاصانِ حق کو موت سے وقفہ ملا نہیں
رتبہ مرا رسولِ خدا سے سوا نہیں

وہاں سے ہٹے یہ کہکے شہنشاہِ نامدار	رونے لگا لگا کے گلے سب کو بار بار
پہلو میں تھی جو بالی سکینہ جگر فگار	آغوش میں لیا اُسے جھک کر بحالِ زار

اور رو کے غش ہوئی جو وہ سرور کی گود میں
اک آہ کر کے دیدیا خواہر کی گود میں

رو کر کہا کہ اس سے خبردار اے بہن	یہ اب یتیم ہوتی ہے ہشیار اے بہن
ہے میرے تن کی جان یہ دلدار اے بہن	رونے نہ دیجیو اسے زنہار اے بہن

ہر چند میرے ہجر میں جاں اپنی کھوئیگی
تڑپے گی روح بھی جو یہ بے چین ہوئیگی

انیس

۳۵ حضرت امام حسین حضرت زینب سے رخصت ہوتے ہیں جلد

منہ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دلگیر ہر آہ تھی حضرت کے کلیجے کے لیے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبیر بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر

بیٹی ہو پہر بھر علی اکبر کے الم میں
کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی صدمے سے جیے گی نہ سکینہ مری بالی
ہو میرے یتیموں کی تمھیں پالنے والی صابر جو ہیں ملتا ہے انھیں رتبۂ عالی

ایسا تو کسی کو غم تنہائی نہ ہوگا
اللہ تو سر پر ہے اگر بھائی نہ ہوگا

وہ حمد کے لائق ہے سزاوار ثنا ہے ہے اس کو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دار فنا ہے آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے

ہے کون بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں جو نور خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں

تم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں پیدا ہوئی جن کے لئے دنیا وہ کہاں ہیں
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہیگا

ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر
وہ مجمع احباب وہ دربار پیمبرؐ وہ فاطمہؑ کا جاہ و حشم شوکت حیدرؓ
بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
یا آج وہی گھر ہے کہ خاک اُڑتی ہے اس میں

اکدن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اسباب یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب
وہ وقت وہ آرام وہ ہمدرد وہ احباب معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیکھا تھا کبھی خواب
آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کرینگے
کل اور اسی طرح ہمیں یاد کرینگے

کیا آگے ہیں کے کوئی مرتا نہیں بھائی برسوں جو رہے وصل تو اکدن ہے جدائی
لٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی جاتی نہیں بے جان لیے جب اجل آئی
ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینب
رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینب

مر کر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمہارے
بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
پیارا نہ کیا ان کو جو تھے جان سے پیارے
بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے
فاقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
بس اب یہی الفت ہے کہ جانے کی رضا دو

انیس

۳۶۔ حضرت امام حسین رضؓ کی روانگی

لو جاتے ہیں ہمشیر خدا حافظ و ناصر
اب جسم ہے اور تیر خدا حافظ و ناصر
اے بانوے دلگیر خدا حافظ و ناصر
ہے رخصت شبیر خدا حافظ و ناصر
کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہ
پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہ

اے عابد بیمار و حزیں گھر سے خبردار
اے جان پدر آل پیمبر سے خبردار
ماں رانڈ ہے اب رانڈ کی چادر سے خبردار
مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار
مشکل جو ہو امت پہ تو حل کیجیو بیٹا
تحریر یہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوش پسر میں ‏ بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں ‏ غش ہو گئی زینب یہ اٹھا درد جگر میں
تھرا گئے واں شہ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

انیس

۳۷۔ حضرت امام حسینؑ کی آخری مناجات

کچھ بڑھ کے پھرے جانب قبلہ شہ ابرار ‏ کج کی طرف دوش پہ گردن انور
تھرائے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر ‏ کی حق سے مناجات کہ اے خالق اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

یارب یہی سادات کا گھر تیرے حوالے ‏ رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے ‏ سب ہیں مرے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

۳۸ حضرت امام حسینؑ کی برآمد

ڈیوڑھی تک آچکے ہیں شہِ آسماں جناب
پردے سے اب نکلتی ہے تصویر بوتراب
آنکھیں خدا کے نور کو دیکھیں گی بے حجاب
دم میں طلوع ہوتا ہے مشرق سے آفتاب
ہوگا ظہور قدرتِ ربِّ جلیل کا
کعبے سے باہر آتا ہے وارث خلیلؑ کا

حاضر ہے در پہ فوجِ نبی جان بے شمار
ہر اک کو ہے زیارتِ مولا کا انتظار
ہر سمت ہیں ملائکہ باندھے ہوئے قطار
زرّیں علم ہیں نور کے گھوڑوں پہ ہیں سوار
روح الامیںؑ بڑھے ہوئے ہیں اہتمام کو
دونوں صفیں کھڑی ہیں دو دستہ سلام کو

وہ آخری شکوہ وہ سطوت وہ دبدبا
رعب و جلال دیکھ کے خورشید بھی دبا
سر پر عمامہ بر میں محمدؐ کی وہ عبا
قرقت میں جس کے گل بھی گریباں کریں قبا
خوشبو سے تن کی دشت کا دامن بسا ہوا
اب تک ہے جس سے روضۂ رضوان بسا ہوا

نکلی صبا جو زلف کے کوچوں سے یک بیک
عطر و عبیر و مشک کی ہر سو اڑی مہک

یا ہم درود پڑھنے لگے چرخ پہ ملک ہونے لگا بہشت میں اور کربلا میں شک
جنت سے بلبلیں بھی ادھر کیوں نہ پھٹ پڑیں
حوریں قریب تھا کہ دریچوں سے گر پڑیں

چھیڑا جو شہ نے رخش کو تڑپا مثال برق سیماب رشک سے ہوا چاہ الم میں غرق
دیکھا تو کچھ بھی تھا نہ زمیں آسماں میں فرق بیدل ہوا کہ تنگ ہے میدان غرب و شرق
رخ یاں کے شہ کا رن کو چلا یوں وہ شان سے
جاتا ہے جیسے تیر نکل کر کماں سے

انیس

۹۳۔ حضرت امام حسینؓ کا رجز

میں شیر حق کا شیر ہوں سمجھے ہو دل میں کیا حملہ کروں تو حشر ہو آفاق میں بپا
پر تیغ کھینچنا ابھی مجھکو نہیں روا حجت تمام کر لوں کہ ہوں حجت خدا
ہر چند طینتوں میں تمہارے فتور ہے
پر مجھکو پہلے پند و نصیحت ضرور ہے

آگاہ ہو کہ اکرم و انجب ہے میرا جد سارے پیمبروں کا سر آمد ہے میرا جد

زیرِ سرِ حسینؑ زبرجد ہی میرا جد   کافی ہے یہ شرف کہ محمدؐ ہی میرا جد
رونق ہوئی قدم سے زمین آسمان کو
جس کے لیے خدا نے سنوارا جہان کو

حیدرؑ

رتبہ مرے پدر کا بھی عالم پہ ہے جلی   والی تمام خلق کا اللہ کا ولی
نام اس کا لیکے کھلتی ہے جنت میں ہر کلی   رہتا ہے قدسیوں کی زباں پہ علیؓ علیؓ
مسند کی زیب و زینت پہلو رسول کا
خالق کا ہاتھ قوتِ بازو رسول کا

ہے میرے حال پر بھی اسی طرح فضلِ حق   حاصل ہیں معجزاتِ رسولانِ ماسبق
چاہوں تو یاں ادبل پڑیں چشمے زمیں ہو شق   حاضر ہیں ہوں نعمتِ فردوس کے طبق
پیاسا ہوں گو یہ آبروئے سلسبیل ہوں
فاقے سے ہوں یہ وارثِ خوانِ خلیل ہوں

ہر رنگ کا دیا ہمیں خالق نے اختیار   کہدیں تو نخلِ خشک میں پیدا ہوں برگ و بار
ہو جائے خارزار ابھی رشکِ لالہ زار   سرسبز ہم کریں تو خزاں خود بنے بہار
ہم کاہ کو وقار جو بخشیں تو کوہ ہو
رفعت جو دیں زمیں تو گردوں شکوہ ہو

رکھتے نہیں کسی سے کوئی احتیاج ہم چاہیں تو دیں گدا کو ابھی تخت و تاج ہم
اک دم میں شاہِ شرق سے لے لیں خراج ہم مرکز ہیں دورِ دائرۂ دیں کے آج ہم
کون و مکاں میں نور ہمارا محیط ہے
زیرِ قدم بساطِ سپہرِ بسیط ہے

علیہ السلام

۵۰۔ یادِ رفتگان

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو روکو ہمیں آ کر
دعوت یونہیں کرتے ہیں مسافر کو بلا کر ہم چاہیں تو پانی بھی نہ پئیں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے
بھولی نہیں اکبر کی ہمیں تشنہ دہانی وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہ کے بہشتی کو پکارے — اُلفت ہمیں لے آئی ہے بھیر پاس تمہارے
لڑتے ہوئے آپہنچے ہیں دریا کے کنارے — عباس غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں نسے ہونٹوں کو ملادو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لپٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے — اُٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو برادر تمہیں کس طرح جگائے — ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہونگا میں آگے جو علم لے کے بڑھوگے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھوگے

انیس

۵۱- آخری عبادت

جُھک جاتے تھے ہر زیہ جو غش میں شہ ابرار — منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیر دل افگار — اب خاتمہ جنگ ہے اے اسپ وفادار
اُترینگے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا

بند ۲۱

سہے عصر کا ہنگام مناسب ہی اترنا — اس خاک پہ ہی شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلۂ صعب ہی دنیا سے گزرنا — سجدہ میں کٹے سر کہ سعادت ہی یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ سر و تن کا
ذی حق ہمیں اس کے ہیں کہ ورثہ ہی پدر کا

اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی — خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولی کی موالی — خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی
کپڑے تن پرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

انیس

۵۲ - نماز حسین رضؑ

کیا عاشقِ خدا تھا وہ عالم کا تاجدار — یہ بندگی یہ عجز یہ طاعت ہی یادگار
پرخوں وہ ہاتھ ٹیک کے مولا نے ایک بار — زخمی جبیں کو خاک پہ رکھا بہ انکسار
لائے خدا کا ذکر جو سوکھی زبان پر
رونے بشر زمیں پہ ملک آسمان پر

آپس میں کہتے تھے یہ ملائک بصد ملال
دیکھو عبادتِ شہِ ذی قدر و ذی کمال
گھر کی نہ کچھ خبر ہے نہ بچوں کا کچھ خیال
اس وقت سب ہیں محو بحرِ یادِ ذوالجلال
ایسا امام صفدر و غازی کہیں نہیں
اللہ اکبر ایسا نمازی کہیں نہیں

انیس

۵۳ حضرت امام حسینؓ کا شوقِ شہادت

آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ نامدار
ناچیز پر یہ فضل ترا ہے شانِ کردگار
فرضاً اگر حیات یہ حاصل ہو اختیار
حسرت ہے اس کی راہ میں سر دوں ہزار بار
ہو ہو سکے وصل تن سے جدا بند بند ہو
ہر بار اس پہ شوقِ شہادت دوچند ہو
تیاب ہوں وصال کا عرصہ ہے دل پہ شاق
ہے ناگوار جسم کو اعضا کا اتفاق
ہر دم ہے قطع ہوتے کا رگ رگ کو اشتیاق
خنجر پھرے گلے پہ کٹے مدتِ فراق
دل ہی تو کشتۂ ہوسِ تیغ و تیر ہے
کہنے پہ کیا وہ عالمِ ما فی الضمیر ہے

دبیر

۴۵۔ شہادتِ حسینؓ

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر ۔ جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکر خدا میں جو لگا تیر دہن پر ۔ یاقوت سے دو لب ہوئے خوں میں لب اطہر

بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندانِ مبارک

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہ ابرار ۔ شور دل فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا عمرِ سعد جفا کار ۔ اے خولی و شیث و دین ذی الجوشن جرار

آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علیؑ کا

ملبوسِ بدن لے گئے سب لوٹنے والے ۔ سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
پہلوئے مبارک میں گڑے رہ گئے بھالے ۔ کیوں چرخ یہ حال اس کا جسے فاطمہؓ پالے

شبیر کا سر نیزۂ خولی کی انی پر
تف دہر پہ اور خاک ہے دنیائے دنی پر

انیس

۵۵۔ معصوم سکینہ کی رحلت

جلد ۲

سب سینہ زن تھے گردِ سرِ شاہِ بحر و بر
اُس حشر میں رہی نہ سکینہ کی کچھ خبر
دیکھا جو اُس نے رُوئے شہِ دیں کو جلوہ گر
لپٹی سرِ پدر سے وہ معصوم دوڑ کر
چلائی دیکھو خالقِ اکبر کی شان کو
لو اماں جان پا گئی میں بابا جان کو

یہ کہکے جھک گئی سرِ شہ پر وہ خستہ جاں
نہ وہ تڑپ تھی پھر نہ وہ زاری تھی وہ فغاں
غش ہو گئی یتیم ہوا سب کو یہ گماں
بیتاب ہو کے گود میں لینے لگی جو ماں
زینب پکاری باپ کی عاشق گزر گئی
گودی میں کس کو لو گے سکینہ تو مر گئی

بازو ہلا کے بانوئے ناشاد نے کہا
بی بی سرِ پدر سے اُٹھاؤ تو منہ ذرا
باتیں ابھی تو کرتی تھیں آنسو بہا بہا
ساقط ہی نبض ہائے غضب سب نے دست پا
سر دیکھتے ہی زیست کا نقشہ بدل گیا
کس وقت سانس رک گئی کب دم نکل گیا

قربان جاؤں مرنے کی ماں کو خبر نہ کی
واری مری غریب یہ تم نے نظر نہ کی

یہ رات ماں کے ساتھ تڑپ کر بسر کی　　جی بھر کے پھر زیارتِ روئے پدر نہ کی

چوتھے برس میں ہائے سدھاری جہان سے
دکھ قید کے نہ اُٹھ سکے ننھی سی جان سے

ماں صدقے جائے آج تڑپتی تھیں شام سے　　روٹھی ہوئی تھیں مادرِ ناشاد کام سے
مر کر ملیں حسین علیہ السلام سے　　بی بی کہو گلے ہوئے کیا کیا امام سے

یوں مُنھ کا موڑنا تو محبت سے دور ہے
قربان جاؤں ماں کا بھلا کیا قصور ہے

تابوت کو اُٹھانے لگے جب بچشمِ تر　　سب بی بیاں لپٹ گئیں میت سے دوڑ کر
زینب پکارتی تھیں کہ واری چلیں کدھر　　لے کر بلائیں کہتی تھی ماں سوختہ جگر

اماں کو چھوڑ جاتی ہو رونے کے واسطے
بی بی چلیں مزار میں سونے کے واسطے

پھر ایک بار چاند سی صورت دکھا کے جاؤ　　دل جل رہا ہے چھاتی سے چھاتی لگا کے جاؤ
صدقے گئی کفن میں نہ مُنہ کو چھپا کے جاؤ　　پھر ماں کے پاس آؤ گی کب یہ بتا کے جاؤ

پہلو میں تم نہ ہو گی تو ماں تلملائے گی
شب کو تمہارے بن تو مجھے نیند آئے گی

زنداں کا در تو بند ہے بی بی کدھر چلیں
کپڑے سفید پہنے ہوئے کس کے گھر چلیں
واری مری ریاض کو برباد کر چلیں
خوشبو سونگھا کے مثل نسیم سحر چلیں جلد

اب اس چمن میں بادِ بہاری کب آئے گی
ماں صدقے جائے پھر کے سواری کب آئے گی

گھٹ گھٹ کے یہاں اندھیرے میں کہتی تھیں بابا
اماں چراغ ہو تو ٹھہر جائے جانِ زار
اب شام میں ملے گی تمھیں قبر تنگ و تار
بی بی کو نیند آئے گی کیوں کر یہاں نثار

تڑپو گی تم تو ماں کو خبر ہوگی کس طرح
پہلی یہ شب لحد میں بسر ہوگی کس طرح

انیس

۵۶ ۔ نیرنگی عالم

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں

سے درد و الم شام غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

جو خلق میں تھے صاحب تخت و علم و تاج
نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں انکے نہیں آج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنھیں باج
وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکّہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت تو خزانے میں ہے خود زیرِ زمیں ہیں

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ میں آسیب خزاں آ نہیں جاتا
گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام
گہہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہؓ زہرا کا گل اندام
واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام

انیس

۵۷۔ موت کا دور دورہ

غافل سمجھ یہ موت ہے کیا چیز؟ امر رب
ہوگا کسی کے وقتِ معین میں فرق کب
ذی روح پنجۂ ملک الموت میں ہیں سب
پھر اک نفس محال ہے آجائے حکم جب

دم مارے تاب کیا یہ کسی نیک نام کی

پائی نہیں کلیم نے مہلت کلام کی

خالی اجل نے کر دیے ہیں گھر ہزار ہا دنیا سے اُٹھ گئے ہیں پیمبر ہزار ہا

بکیں ہوئے ہیں صاحب لشکر ہزار ہا مثل گدا مرے ہیں تونگر ہزار ہا

بندے بہت سفر سے سلامت نہ گھر گئے

موت آگئی جہاں اسی جنگل میں مر گئے

قاروں کی طرح سیکڑوں شاہان ذی حشم مجبور اس جہاں سے گئے ہیں بدرد و غم

ہنگام مرگ یاس سے تکتے تھے دمبدم ہمراہ تھا نہ ملک نہ دولت نہ وہ خدم

گنجینے زیر خاک دبا کر چلے گئے

خالی سبھوں کو ہاتھ دکھا کر چلے گئے

پیر و جوان و کودک و نافہم و ہوشیار بدکیش و خوش عقیدت و گمنام و نامدار

محکوم و حکمران و قوی و نحیف و زار شاہ و گدا و ظالم و مظلوم و بے دیار

مجبور ہو کے موت کے پنجے میں آئیں گے

سب حسرتیں لیے ہوئے دنیا سے جائیں گے

انیس

۵۸۔ عبرت

اب خواب سے چونکو وقت بیداری ہے — لے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہنچتے ہیں مسافر داں تک — یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا — گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا
بالش سے سرو کار نہ بستر سے غرض — اپنا کسی تکیہ میں بچھونا ہوگا

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا — جز خاک کے تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوئے گا انیسؔ — ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا

غافل تجھے کیوں خواہشِ دنیائے دنی ہے — پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ — سوتے ہیں تہِ خاک گلے میں کفنی ہے

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے — دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے

پہنچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

گر لاکھ برس جیئے تو پھر مرنا ہے پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیّا کر لے غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

انیسؔ

۵۹۔ اسلام کی روانی

چلا ارض بطحا سے اِک بحرِ ذاخر
کہ تھا جس کی موجوں کا اوّل نہ آخر

وہ توحید کی نَے بجاتا ہُوا سرودِ حجازی میں گاتا ہُوا
وہ جنگل میں منگل مناتا ہُوا وہ شہروں میں شادی رچاتا ہُوا
پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہُوا سمندر پہ طوفاں اُٹھاتا ہُوا
محیطِ زمیں پر وہ چھاتا ہُوا خبائث کی وسعت گھٹاتا ہُوا
صداقت کے جھنڈے اُڑاتا ہُوا وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہُوا
بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہُوا خدا سے ہر اک کو ملاتا ہُوا

اُسی کی عبادت سِکھاتا ہُوا — حضور اس کے سب کو جھکاتا ہُوا
جہالت کی رسمیں مٹاتا ہُوا — معارف کے ایواں اُٹھاتا ہُوا
اذانیں زمیں پر دلاتا ہُوا — شیاطیں کو دھکے لگاتا ہُوا
معاصی کو آنکھیں دکھاتا ہُوا — گناہوں کی گردن دباتا ہُوا
وہ نیکوں کو مژدے سُناتا ہُوا — شریروں کو ہر سو ڈراتا ہُوا
وہ گِرتوں کو بڑھکر اُٹھاتا ہُوا — کہیں ڈوبتوں کو ترِاتا ہُوا
کہیں بسملوں کو جِلاتا ہُوا — اِنھیں آبِ حیواں پلاتا ہُوا
بَلاؤں کو سر سے ٹلاتا ہُوا — وہ رستوں سے کانٹے ہٹاتا ہُوا

وہ غیروں کو اپنا بناتا ہُوا
لگن اک نئی سی لگاتا ہُوا

وہ ایوانِ کسریٰ ہلاتا ہُوا — عَلم رُومیوں کے گراتا ہُوا
چراغِ ہدایت جلاتا ہُوا — اور آتشکدوں کو بجھاتا ہُوا
دوئی سے ہر اک کو بچاتا ہُوا — سوئے ذاتِ واحد بُلاتا ہُوا
سماوی ترانے سُناتا ہُوا — اسی لئے یہ سب کو لٹاتا ہُوا
وہ فتنوں کو ہر سو دباتا ہُوا — وہ بچھڑوں کو باہم ملاتا ہُوا

سریرِ عدالت بچھاتا ہُوا حقوق اپنے سب کو دلاتا ہُوا
تمدّن کی بنجیں جماتا ہُوا مہذب جہاں کو بناتا ہُوا
دلوں کو وہ ہمّت دلاتا ہُوا وہ روحوں کی قوت بڑھاتا ہُوا
دروسِ حقایق پڑھاتا ہُوا خرافاتِ یونان بھلاتا ہُوا
صدفہائے علمی بہاتا ہُوا گہرہائے عرفان لٹاتا ہُوا

چلا جائیگا یونہی چڑھتا ہُوا
اسی طرح دُنیا میں بڑھتا ہُوا

کہ جو نورِ حق بہرِ اتمام ہے جو ہر فرد انسان کو پیغام ہے
زمانہ کا جس پر کہ انجام ہے اسی کا تو مظہر یہ اسلام ہے

ندانم چساں جسز رآید درو
کہ حفظِ خدا گشت چوں بداد

مناظر احسن گیلانی

۶۰- اسلام کا کارنامہ

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی پڑی چارسو یک بیک دہوم جس کی

کڑک اور دھمک دور دور اس کی پہنچی جو ٹیکس یہ گرجی تو گنگا یہ برسی

جلد ۲

رہی اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا اُمّیوں نے جہاں میں اُجالا ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا
زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتش افسردہ آتشکدوں میں لگی خاک سی اُڑنے سب معبدوں میں
ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے اک جا سارے ڈنگل بچھڑ کر

لیے علم وفن ان سے نصرانیوں نے کیا کسبِ اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا
ہر اک شہر و قریہ کو یوناں بنایا مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا
کیا بر طرف پردہ چشم جہاں سے
جگایا زمانہ کو خوابِ گراں سے

حالی

۶۱- آثار صنادید اسلام

کیا جا کے آباد ہر ملکِ ویراں مہیا کیے سب کے راحت کے ساماں
خطرناک تھی جو پہاڑ اور بیاباں انھیں کر دیا رشکِ صحنِ گلستاں
بہار اب جو دُنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفّا دو طرفہ برابر درختوں کا سایا
نشاں جا بجا میل و فرسنج کے برپا سر رہ کنوئیں اور سرائیں مہیّا
انھیں کے ہیں سب نے یہ چربے اُتارے
اسی قافلے کے نشاں ہیں یہ سارے

جلد ۲

نہیں اس طبق پر کوئی برِّ اعظم نہ ہوں جس میں ان کی عمارت محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم بناؤں سے ہے ان کی معمور عالم

سرِ کوہ آدم سے تا کوہِ بیضا
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے انکا

وہ سنگیں محل اور وہ ان کی صفائی جمی جن کے کھنڈروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی وہ معبد جہاں جلوہ گر تھی خدائی

زمانے نے گو ان کی برکت اٹھالی
نہیں کوئی ویرانہ پر ان سے خالی

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے   مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے   خلافت کو زیر و زبر جا کے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

وہ بلدہ کہ فخرِ بلاد جہاں تھا   تر و خشک پر جس کا سکہ رواں تھا
گڑا جس میں عباسیوں کا نشاں تھا   عراقِ عرب جس سے رشکِ جناں تھا
اڑا لے گئی بادِ پندار جس کو
بہا لے گئی سیلِ تاتار جس کو

سنے گوش عبرت سے جا جا کے انساں — تو داں ذرہ ذرہ یہ کرتا ہے اعلاں

کہ تھا جن دنوں مہر اسلام تاباں — ہوا یاں کی تھی زندگی بخش دوراں

پڑی خاکِ ایتھنز میں جاں یہیں سے

ہوا زندہ پھر نام یوناں یہیں سے

وہ لقمان و سقراط کے در مکنوں — وہ اسرار بقراط و درسِ فلاطوں

ارسطو کی تعلیم سولن کے قانوں — پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفوں

یہیں آکے مہر سکوت ان کی ٹوٹی

اسی باغ رعنا سے بو ان کی پھوٹی

وہ تارے جو تھے شرق میں لمعہ افگن — پہ تھا ان کی کرنوں سے تا غرب روشن

نوشتوں سے ہیں جن کے اب تک مزین — کتب خانہ پیرس و روم و لندن

پڑا غلغلہ جن کا تھا کشوروں میں

وہ سوتے ہیں بغداد کے مقبروں میں

حالی

جلد ۲

۴۳۔ یادِ ایّام

پپیہوں نے تانوں کا باندھا ہے تار
غضب پی کہاں پی کہاں کی پکار

اسی پی کے وارث یہ مقبول ہیں
اسی نخلِ مقصد کے پھل پھول ہیں

وہ ہم ہیں جو جھکے تو جبریل تھے
جو گرجے تو صورِ سرافیل تھے

کبھی بزم میں تھے کبھی رزم میں
ہمیں ہیں جو پورے تھے ہر عزم میں

ہماری ہی ہر سعی جاگیر تھی
ہماری ہی تدبیر تقدیر تھی

یہ اوصاف خوبی میں کامل تھے ہم
کہ تخلیقِ عالم کے حاصل تھے ہم

ہماری ہی تکبیر کا تھا اثر
لرزتے تھے کرّوبیاں عرش پر

ہمیں سے وہ باتیں ہویدا ہوئیں
کہ جن کی مثالیں نہ پیدا ہوئیں

ہمارا ہی زورِ قلم تھا کبھی
زباں بند کرتا تھا جو تیغ کی

وہ اپنی ہی تلوار کی دھاک تھی
کہ رستم کی ہستی جہاں خاک تھی

ہمیں وہ سخاوت میں افسانہ تھے
فقیروں کے بھی ٹھاٹھ شاہانہ تھے

وہ ہم تھے محبت میں ضرب المثل
کہ مرتا تھا ایک ایک پر بے اجل

وہ کیسی اخوت تھی کیا چیز تھی
کہ شاہ و گدا میں نہ تمیز تھی

عجب قابلیت، عجب خلق تھا
لقب جس کو ملتا تھا اعجاز کا

علوم و فنوں میں وہ مشتاق تھے
کہ ہم حیرت افزائے آفاق تھے

حکومت کا شہرہ عدالت کی دھوم
تجارت کا شوق اور ذوقِ علوم

ہمیں ہر طرف لے گیا دہر میں
رہے جا کے ہر ملک و ہر شہر میں

کبھی اندلس میں کبھی چین میں
کبھی ہند کا ہے فلسطین میں

جہاں پہنچے ہم سب کے سب زیر تھے
یہ اپنی کچھاریں تھیں ہم شیر تھے

تصنع کے عاشق نہ تزئین کے
کہ دنیا ہماری تھی ہم دین کے

بے نظیر

جلد ۲

۶۴- پہلے مسلمان

سب اسلام کے حکم بردار بندے
سب اسلامیوں کے مددگار بندے

خدا اور نبی کے وفادار بندے
یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے

رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے　　کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سرِ احکامِ دیں پر جھکا دینے والے　　خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی　　فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی　　شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہیے واں کفایت　　سخاوت جہاں چاہیے واں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت　　نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت
جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

حالی

۶۵۔ قحط اہل اللہ

پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں　　وہ درویش و سلطاں کی امیدگاہیں

کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں
کہاں ہیں وہ جذبِ الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے
بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر نہیں ذاتِ والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر کہ تھے ان کے اسلاف مقبولِ داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے
یہ ہیں جادہ پیمائے راہِ طریقت مقام ان کا ہے ماورائے شریعت
انھیں پر ہے ختم آج کشف و کرامت انھیں کے ہے قبضہ میں بندوں کی قسمت
یہی ہیں مراد اور یہی ہیں مرید اب
یہی ہیں جنید اور یہی با یزید اب

حالی

۶۶۔ نام کے مشائخ

بہت سے راہ زنی کرتے ہیں بن کر پیر غریب قوم کو ہیں مارتے یہ شاہ مدار

ہزار دانہ کی تسبیح گیروا کپڑے
یہی ہیں ان میں علاماتِ اولیائے کبار

اگر ہیں یاد تصوف کی اصطلاحیں چند
تو پہنچا عرشِ معلّٰے پہ گوشہ دستار جلد

کسی سے نقد کہیں جنس اور کہیں دعوت
جو بس چلے تو نہ چھوڑیں مرید کا گھر بار

یہ مومنوں سے بھی جزیہ وصول کرتے ہیں
فتوحِ غیب رکھیں اس کا نام یا ادرار

رجوعِ خلق کی خاطر ہوئے ہیں گوشہ نشیں
کہ جیسے چیل پہ بیٹھے تنکڑے کے تو تیمار

یہ ناز ہے کہ بزرگوں کے نام لیوا ہیں
اگرچہ ننگِ بزرگاں ہوں آپ کے اطوار

اسمٰعیل

۶۷۔ قحط علمائے دین

وہ علمِ شریعت کے ماہر کدھر ہیں
وہ اخبارِ دیں کے مُتبحر کدھر ہیں

اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں
محدث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں

کہ مجلس جو کل سر بسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر
کہاں ہیں وہ علمِ الٰہی کے دفتر

چلی ایسی اس بزم میں بادِ صرصر بجھیں مشعلیں نورِ حق کی سراسر
رہا کوئی ساماں نہ مجلس میں باقی
صراحی نہ طنبور مطرب نہ ساقی

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکان شرعِ متیں کے کہاں ہیں وہ وارث رسولِ امیں کے کہاں ہیں
رہا کوئی اُمت کا ملجا نہ ماویٰ
نہ قاضی، نہ مفتی، نہ صوفی، نہ مُلّا

بہت لوگ بن کر ہوا خواہِ اُمت سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت
سدا گاؤں در گاؤں نوبت بہ نوبت پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیل دولت
یہ ٹھہرے ہیں اسلام کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارثِ انبیا اب

حالی

۶۸۔ شغل تکفیر

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ کچھ حالت یورپ سے خبردار نہیں ہیں

آمادۂ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں
ہر چند ابھی مائل اظہار نہیں ہیں

جو نام سے اسلام کے ہو جاتے تھے برہم
ان میں بھی تعصب کے وہ آثار نہیں ہیں

افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا
یا ہیں تو بقول آپ کے دیندار نہیں ہیں

کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد
کیا آپ بھی اس کے لیے تیار نہیں ہیں

جھلا کے کہا یہ کہ یہ کیا سوء ادب ہے
کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

شبلی

۶۹ - نوجوان مسلمان اور اسلام

ہیں ہوا ابر کفر کے گیسو پریشاں اندنوں
کوئے دل میں کیونکر آئے بھٹکے ایماں اندنوں

علم دیں مفقود ہے گم ہے صراط مستقیم
خضر رہ بنتا ہے ہر غول بیاباں اندنوں

سا اپنے اشتر کو یہ کیا لیجائیگا سوئے حجاز
مست خود ہے بینڈ کی گت پہ حدی خواں اندنوں

بڑھ رہا ہے کفر زلف علت و معلول سے
حسن فطرت سے حجاب رخ ہے یزداں اندنوں

شارح دیوان ہستی ہے قیاس مغربی
سرّ ازل بھی تجربوں کے زیر فرماں اندنوں

ہیں مشاغل محفل احباب کے ناگفتہ بہ دم بخود بیٹھا ہی اکبر سا سخن داں آمدنوں
ہیں ترے ہی واسطے اکبر یہ سارے شعبدے
دیکھ تو ان کے یہاں مذہب کا ساماں آمدنوں

خدا جانے کہا کس نے یہ اک دن عقل مسلم سے کہ مشرق سے نظر آتا نہیں مغرب کا چھٹکارا
گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں برا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا
مضر ہیں یہ ہی قیدیں مناسب ہے شکست انکی مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا
وہ چھینٹے دیجیے ان کو حکیمانہ طریقوں سے کہ بجھ کر راکھ ہی ہو جائے یہ مذہب کا انگارا
چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا
ترقی پا گئی قوم آپ کی پھر دور گردوں میں عجب کیا ہی کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دھارا
قیامت کر گئی قومی ترقی گوش مسلم میں ق لگا کہنے تر ہے نعمت اگر حاصل شود مارا
اگر آں شاہد مغرب بدست آرد دل مارا
بچشم مست او بخشیم تسبیح و مصلے را

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں

اِدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں ادھر ہیں کچھ مرشدان خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگ اتحاد ملت رواں ہوئیں خون دل کی موجیں
ہم اس کو سمجھے ہیں آب صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا یہیں پڑے ہیں کچھ دانہائے شیریں
اسی پہ مائل ہے طبع شاہیں نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں

صدائے اتحاد اُٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اُٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اُٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں

جناب اکبر سے کوئی کہدے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

یہ طفل ناداں غریق غفلت ہوا ہے ذلت میں تن رہے ہیں
سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں

بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں
یہ داغ تو ہیں انھیں کے دل پر جو محو رنگ چمن رہے ہیں

نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے
انہیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیر چرخ کہن رہے ہیں

یہ آخری صف میں آگئے والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے
محل حسرت ہیں ان کے سینے جو زینت انجمن رہے ہیں

رہے ہیں جو برگ و نقش کے خوگر انہیں ہو کیوں خار ان کا منظر
نگاہ تو سے ہے انہیں کی مصطر جو مست سرد و سمن رہے ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبرؔ
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا — بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا
بزم یاراں سے پھری باد بہاری مایوس — ایک سر بھی اسے آمادۂ سودا نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش — طالب زمزمۂ بلبل شیدا نہ ملا
واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے — کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

ہوشیار رہیں تو اک اک سے سوا ہیں اکبرؔ
مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

ملحداں سایۂ اوصاف دلتنہا خواند — مومناں انجرا شندیہ دلتنا سے چند

برتِ دیں بفروشند بیک غمزۂ کفر　　چشم پوشند ز ملت پئے خود کامے چند
روح خود را چو سپردی بہ غلامی حریف　　چہ کنی ناز بہ نامے و بہ تدابیرے چند
رو ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر　　ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند
اے گدایان خرابات خدا یار شماست
چشم انعام مدارید ز خود کامے چند

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائیے　　غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جائیے
فلسفہ الحاد کا کر لیجیے فوراً قبول　　دین کی ہو بات تو ابطال پر ٹھن جائیے
شیخ صاحب ہے یہی قومی ترقی کی شناخت
روٹھنے سے کچھ نہیں ہے فائدہ من جائیے

مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریق نوم　　تھے مبتلائے حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم
دنیا و دین کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا　　عشق بتاں شباب میں پیری میں عشق قوم

اس عہد میں یہی ہے بس دو اہل نکوئی　　مذہب پہ نکتہ چینی ملت میں عیب جوئی
شوق عمل نہیں ہے فکر اجل نہیں ہے　　واعظ بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے
نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے

کہیں میم کا ہے پھندہ کوئی درخت ِ تر کا بندہ
ہے پھر اس پہ ناز و خندہ کہ دل اسمیں کیا حرج ہے

جو کرآئے سیر لندن ہیں اسیر کبر و فیشن
جو ہیں گئے ہیں بن ٹھن ابھی ان ہی کی گج ہے

کوئی ان میں ہے جو ایسا کہ جو دن کی ہے لیتا
جو اسے بھی چھیڑ دیکھا تو وہ کمتر از کھرج ہے

عزیزان وطن سوچیں سول سروس سے کیا حاصل
بگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا حاصل

نہ سحر چشم جاناں ہے نہ لطف ِ غمزۂ ساقی
تو پھر صحن چمن میں دیدۂ نرگس سے کیا حاصل

نہ ہو اور اک خالق کا نہ ابھرے شوق طاعت کا
تو ایسے ذہن سے اکبر اور ایسے حس سے کیا حاصل۔

پانیر کے صفحۂ اول میں جس کا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں گر اس کو عاقبت کی فکر ہو

س توبت خانہ میں تو اہاں نہ ہوا عزت کا
دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

غالباً خانۂ بالخیر سمجھ لو اس کا
جس کے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا

نشان کھو کے بگولے کی طرح اُٹھتے ہیں | تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے
ہو نمود اپنی تو اندھیر کی پروا کس کو | کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی

جلد ۲

کٹے ملت سے جو دیکھے گی دنیا انکو عبرت سے | گرے پتے ہیں یہیں سبز ہیں اپنی رطوبت سے

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

انگریز میں عظمتِ جہاں بانی ہے | ہم میں اک شان علم روحانی ہے
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں | بازو نہ قوی نہ قلب نورانی ہے

موت سے ڈرتے ہیں اب پہلے یہ تعلیم نہ تھی | کچھ نہیں آتا تھا اللہ سے ڈرنے کے سوا

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو | جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد | اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

جلد۲

۱۰- دین وایمان

علوم دنیوی کی بحر میں غوطے لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

تنگ ہے راہِ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآن بھی کبھی پڑھتے ہو

شیخ صاحب کا تعصب ہے جو فرماتے ہیں
اونٹ ہو جو دہی پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

یہ سوال ہے ان کا البتہ بہت با معنے
کہ سمجھ بوجھ کے قرآن بھی کبھی پڑھتے ہو

دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو
مذہبی درس الف-ب ہو علیگڑھ ت ہو

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے
مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہی کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے

نام خدا کا اکثر زیبِ زباں تو پایا
عشقِ بتاں کو لیکن نقشِ قلوب دیکھا

اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہے
اس کی تو گورنمنٹ ہی ریسپانسبل ہے
غزالی و رومی کی بھلا کون سنے گا
محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مل ہے

کچہریوں میں ہے پرستش گریجوایٹوں کی
سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور میٹیوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

کریما ببخشائے بر حالِ قوم
صلوٰۃ است رائج در ایشاں نہ صوم

سب بے نماز ہیں یہ وہ اس پہ شرماتے نہیں   یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت   وضو کی اور مناجات سحر کی
مگر ہاں چارپائی پر حسب دستور   تلاوت کرتے ہیں وہ پائنیر کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے   اسی پر شیخ بیچارے نے اپنی چھاتی ٹیکی ہے
کہاں باقی رہا ہے ہم میں وہ اوراد سحرگاہی   وظیفہ کی جگہ پاینیر یا آئی۔ ڈی۔ ٹی ہے

حریفوں نے رپٹ جا جا کے لکھوائی ہے تھانہ میں   کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

جوش میں لائے صبا جس کو وہ خون اچھا ہے   بوئے گل جس کو ابھارے وہ جنون اچھا ہے
جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خون اچھا ہے   کفر پر غصہ دلائے وہ جنون اچھا ہے

نہ سن تو قرآن کا وعظ بھائی خوشی سے تقلید سے نکل کر
پھرے گا گلیوں میں آخر اک دن دیا سلائی کا بکس لیکر

منزلوں دوران کی دانش سے خدا کی ذات ہے
خورد بیں اور دور بیں تک ان کی بس اوقات ہے
جلد ۲

دلیل ملحد سے پوچھتی ہے کہ تم مسلم مگر خدا کیا
دل اس کے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اس کے ہوتے یہ ماسوا کیا

ہیں اہل جہاں منکر اللہ سے کد پہ
وہ پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کی لحد پہ
ہنگامے انہیں کے لیے ہیں صل علیٰ کے
جو زیست میں عاشق تھے ہو اللہ احد پہ

اکبر

۷۱ - عبرت

جن کے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں
انکی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں
کان نے ہوش کو الجھا یا ہے افسانوں میں
آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں
مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں میخانوں میں
واہ کیا جوش ترقی ہے مسلمانوں میں
شیخ جی آپ کو اللہ سلامت رکھے
آپ کا دم بھی غنیمت ہے مسلمانوں میں

نام اللہ و رسول اب تو ہیں کم سنتا ہوں — پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

پڑھ کے منصور کی حالت مجھے وجد آتا ہے — خوب مضمون ہیں اللہ کے دیوانوں میں

گرمیِ دل جو ہے منظور تو منطق پہ نہ جا — عشق ہے آگ لگانے کے لیے جانوں میں

جس نے رکھا نہ فضولی سے سروکار اکبر

مرد عاقل ہے وہی دہر کے مہمانوں میں

اکبر

۴۳۔ شجرِ ملّت

ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ — ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے

ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے — کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برگ و بار سے

فصلِ خزاں ہے تیرے گلستاں میں خیمہ زن — خالی ہے جیبِ گل زرِ کامل عیار سے

جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور — رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے

شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو — واقف نہیں ہے قاعدۂ روزگار سے

مذہب کے ساتھ واسطۂ استوار رکھ

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

۳۷۔ مسلمانوں کا فسانہ

جلد

مسلمانو بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
تمہارے کیا مدارج رہ گئے اُن پر نظر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اسکا اثر کچھ ہے
حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں
تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں

شرف پایا تھا تم نے امتیاز حق و باطل میں
مخالف بھی تمہاری قدردانی کرتے تھے دل میں

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آنیں تھیں
تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہیں تم تھے زمانہ میں تمہاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمہارا اتفاق باہمی دیوار آہن تھا
مخالف ملک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا

جلد۲

تمہاری ہمتوں کا عرش اعظم پر نشیمن تھا ‏ تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو

خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی ‏ طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی

نہ دلمیں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی ‏ نظر میں مظہر نور حقیقت ساری ہستی تھی

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی

خوش اخلاقی تمہاری مظہر شان جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی ‏ نہ وہ حسن عمل باقی نہ اب وہ حسن ظن باقی

نہ وہ ذوق ہنرمندی نہ شوق علم و فن باقی ‏ نہ دل میں ہے وہ جوش حب یاران وطن باقی

جو فکریں ہیں وہ اپنے نفس کو راحت رسانی کی

توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو ‏ اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو

بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو ‏ خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے اے نوجوانوں ہوش میں آؤ

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

۴۷۔ مرثیۂ سسلی

(جلد ۲)

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار

یہ محل خیمہ تھا ان صحرانشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
شعلۂ جانسوز پنہاں جن کی تلواروں میں تھے

آفرینش جن کی دنیائے کہن کی تھی اجل
جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے باطل کے محل

زندگی دنیا کو جن کی شورشِ قم سے ملی
مخلصی انساں کو زنجیرِ توہم سے ملی

جس کے آوازے سے لذت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے

آہ اے سسلی سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس صحرا کے پانی میں ہے تو

زیب تیرے خال سے رخسارِ دریا کو رہے
تیری شمعوں سے تسلی بحر پیما کو رہے

ہو سبک چشمِ مسافر پر ترا منظر مدام
موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا
حسنِ عالم سوز جس کا آتش نظارہ تھا

آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی
ابن بدروں کے دلِ ناشاد نے فریاد کی

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر

مرثیہ تیری تباہی کا مری قسمت میں تھا
یہ تڑپنا اور تڑپانا مری قسمت میں تھا

رنگ تصویرِ کہن میں بھر کے دکھلا دے مجھے
قصہ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپا دے مجھے

درد اپنا مجھ سے کہہ میں بھی سراپا درد ہوں
جس کی تو منزل تھا میں اس کارواں کی گرد ہوں

بھیج کر تو مجھ کو سوئے ہندوستاں لے جاؤں گا
خود یہاں روتا ہوں اوروں کو وہاں رلواؤں گا

اقبال

۷۵۔ بلادِ اسلامیہ

سرزمیں دلّی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے
ذرّہ ذرّہ میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے

پاک اس اُجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں
خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمیں

سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار
نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیِ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

ہے زیارت گاہِ مسلم گو جہاں آباد بھی
اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی

یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز
لالۂ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز

خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوشِ ارم   جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم

جلد

جسکے غنچے تھے چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی

کانپتا تھا جن سے روما اُن کا مدفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور   ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمع طور

بجھ کے شمع ملت بیضا پریشاں کر گئی   اور دیا تہذیب حاضر کا فروزاں کر گئی

دورِ گردوں میں جو نے سیکڑوں تہذیب کے   پل کے نکلے مادرِ ایام کے آغوش سے

قبر اس تہذیب کی یہ سرزمیں پاک ہے

جس سے تاکِ گلشنِ یورپ کی رگ نمناک ہے

شہر قسطنطنیہ یعنی کہ قیصر کا دیار   مہدیِ امت کی سطوت کا نشان پائیدار

صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے   آستانِ مسند آرائے شہ لولاک ہے

نکہت گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا   تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

کشورِ اسلام کا اے مسلمو دل ہے یہ شہر

سیکڑوں صدیوں کی کشت و خوں کا حاصل ہے یہ شہر

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفےٰ   دید ہے کعبہ کو تیری حج اکبر سے سوا

خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں   اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی

نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے وارث مسندِ جم کے ہوئے

گو مٹانا بستیوں کا ہے شعار روزگار
عظمتِ ملت کی باقی یادگاریں ہیں ہزار

یہ ہویدا ہیں کہیں مٹتے ہوئے آثار میں
یا نمایاں ہیں کسی گرتی ہوئی دیوار میں

نالہ کرتی ہی کہیں خاموش سوتی ہی کہیں
اہل ملت کی فراموشی کو روتی ہی کہیں

جلوہ گاہیں اس کی ہیں اپنی زیارت کیلیے
اشک باری کے لیے غم کی حکایت کیلیے

اقبال

۷۰۔ حال اقبال

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے
سینۂ سوزاں ترا فریاد سے معمور ہے

نغمۂ امید تیرے بربطِ دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلی تیرے محمل میں نہیں

گوش آوازِ سرود رفتہ کا جویا ترا
اور دل ہنگامۂ حاضر سے بے پروا ترا

قصۂ گل ہمنوایانِ چمن سنتے نہیں
اہل محفل تیرا پیغام کہن سنتے نہیں

زندہ پھر وہ محفلِ دیرینہ ہو سکتی نہیں
شمع سے محفلِ شبِ دوشینہ ہو سکتی نہیں

جلد

اے درائے کاروانِ خفتہ پا خاموش ہو
ہے بہت یاس آفریں تیری صدا خاموش ہو

ہم نشیں مسلم ہوں میں توحید کا حامل ہوں میں
اس صداقت پر ازل سے شاہدِ عادل ہوں میں

نبضِ موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے
اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے

حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا
اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا

آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرارِ حیات
کہہ نہیں سکتی مجھے مایوس پیکارِ حیات

کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے
ہے بھروسا اپنی ملت کے مقدر پہ مجھے

ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہدِ کہن رکھتا ہوں میں
اہلِ محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں

یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

اقبال

۷۷۔ پیامِ عمل

اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر
بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں

ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط — اسی ہنگامہ سے محفل تہ و بالا کر دیں
پھونک ڈالا تھا کبھی دفترِ باطل جس نے — حدتِ دم سے اسی شعلہ کو پیدا کر دیں
اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق — سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں
جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دکھا کر ان کو — تپش آمادہ تر از خونِ زلیخا کر دیں
رخت جاں بتکدۂ چین سے اٹھا لیں اپنا — سب کو محوِ رخِ سعدیٰ و سلیمیٰ کر دیں
دیکھ یثرب میں ہوا ناقۂ لیلےٰ بیکار — قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں
درد ہے سارے زمانے کا ہمارے دل میں — جنس کمیاب ہے آ زرخ کو بالا کر دیں
بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ گداز — جگرِ شیشہ و پیمانہ و مینا کر دیں
گرم رکھتا تھا ہمیں سردیِ مغرب میں جو داغ — چیر کر سینہ اسے وقفِ تماشا کر دیں

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

اقبال

۸۔ مسلم کی مناجات

یا رب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرہ کو چمکا دے — پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل — اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
آتش منّی جس کی کانٹوں کو جلا ڈالے — اس بادیہ پیما کو وہ آبلۂ پا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر — اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلےٰ دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو — وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر — خودداریٔ ساحل دے آزادیٔ دریا دے
بے لوثِ محبت ہو بیباک صداقت ہو — سینوں میں اُجالا دے دل صورتِ مینا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا — امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اِس اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

اقبال

۹۔ شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں — فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں

نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھکو

شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھکو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

ساز خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے

خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم

شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی

ورنہ اُمت ترے محبوب کی دیوانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر

خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر

تجھکو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟

قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی — اہل چیں چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی — اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں — خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں — کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے — اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لئے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے — سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لئے
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی؟

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے — پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے!
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے — تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے!

نقشِ توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

لۂ

تو ہی کہدے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے؟ شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟ کاٹ کر رکھدیے کفار کے لشکر کس نے؟

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کونسی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟ اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہانگیر جہاندار ہوئی؟ کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے!
منہ کے بل گر کے ھُوَ اللہُ اَحَد کہتے تھے؟

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے مے توحید کو لیکر صفتِ جام پھرے

کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے اور معلوم ہے تجھکو کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہمنے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہمنے!

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں! تو بھی تو دلدار نہیں!

اُمتیں اور بھی ہیں اُن میں گنہگار بھی ہیں عجز والے بھی ہیں مستِ مے پندار بھی ہیں
اُن میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بُت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے ہے خوشی اُن کو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

یہ شکایت نہیں۔ ہیں اُن کے خزانے معمور نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنیکا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور اور بیچارے مسلمان کو فقط وعدۂ حور!

اب وہ الطاف نہیں ہم یہ عنایات نہیں!
بات یہ کیا ہی کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہی دولتِ دنیا نایاب تیری قدرت تو ہی وہ جس کی نہ حد ہی نہ حساب
تو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب رہرو دشت ہو سیلی زدۂ موج سراب

طعن اغیار ہی رسوائی و ناداری ہی!
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہی؟

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا
ہم تو رخصت ہوئے اَوروں نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا!

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہی کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا لے بھی گئے آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

جلد۲

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب اُنھیں ڈھونڈھ چراغِ رُخِ زیبا لے کر!

در و لیلیٰ بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی — نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی — اُمّتِ احمدِ مرسلؐ بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگی غیر سبب کیا معنی!
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی!

تجھکو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟ — بُت گری پیشہ کیا بُت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟ — رسمِ سلمان و اویسِ قرنی کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں!
زندگی مثلِ بلالِ حبشی رکھتے ہیں!

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی — جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی — اور پابندیٔ آئینِ وفا بھی نہ سہی

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے — اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے

تش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے پھونک دی گرمی رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں ؟

ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں ؟

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

وصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی !

بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی !

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے

دور ہنگامۂ گلزار سے یکسو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ہو بیٹھے

پھر پتنگوں کو مذاق تپش اندوزی دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طور مضطر ہے اسی آگ سے جلنے کے لیے

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کر دے — مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے

جنسِ نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے — یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

جوشِ خوں مے چکد از حسرتِ دیرینۂ ما

می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن — کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن

عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن — اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پروازِ چمن

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک

اسکے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم ابتک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں — پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں

وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں — ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں

قید موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی

کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں — کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں

کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں — کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

جلد۲

اس گلستان میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہد وفا سے دل ہوں
پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

اقبال

۸۰ - جواب شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

قدسی الاصل ہے۔ رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

اڑ کے آواز مری تا بفلک جب پہنچی!
یعنی اس گل کی مہک عرش تلک جا پہنچی!

جب مے درد سے ہو خلقت شاعر مدہوش
آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش

کشور دل میں ہو خاموش خیالوں کے خروش
حرخ سے سجدے زمیں شعر کو لاتا ہے سروش

قیدِ دستور سے بالا ہے مگر دل میرا!
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا!

پیر گردوں نے کہا سن کے "کہیں ہے کوئی" بولے سیارے "سرِ عرشِ بریں ہے کوئی"
چاند کہتا تھا "نہیں! اہلِ زمیں ہے کوئی" کہکشاں کہتی تھی "پوشیدہ یہیں ہے کوئی"

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھ کو جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا! عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا؟
تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا؟ آگئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا؟

غافل آداب سے سکانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے! تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے!
عالمِ کیف ہے، دانائے رموزِ کم ہے! ہاں، مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے!

ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو!
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو!

آئی آواز، غم انگیز ہے افسانہ ترا! مئے فریاد سے معمور ہے پیمانہ ترا!

بند ۲

ہی ہم آغوشِ فلک نعرۂ مستانہ ترا! کس قدر شوخ زباں ہی دلِ دیوانہ ترا!

شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے

ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

ہم تو مائل بکرم ہیں۔ کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

تربیت عام تو ہی جوہر قابل ہی نہیں جس سی تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں!

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں!

جس طرح احمدِ مختار ہیں نبیوں میں امام! اُن کی اُمت بھی ہی دنیا میں امامِ اقوام!

کیا تمہارا بھی نبی ہی وہی آقائے انام؟ تم مسلماں ہو؟ تمہارا بھی وہی ہی اسلام!

اُس کی اُمت کی علامت تو کوئی تم میں نہیں

مے جو اسلام کی ہوتی ہی وہ اس خم میں نہیں

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں! اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں!

بت شکن اُٹھ گئی باقی جو رہی بت گر ہیں! تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں!

کہیں تہذیب کی پوجا۔ کہیں تعلیم کی ہی!

قوم دنیا میں ہی احمدِ بے میم کی ہی!

کشورِ ہند میں کُلیۂ ناکام کا بُت　　　عربستاں میں شفاخانۂ اسلام کا بُت
اور لندن میں عبادت کدۂ عام کا بُت　　　لیگ والوں نے تراشا ہی بڑے نام کا بُت جلد۲

بادہ آشام نئے بادہ نیا خم بھی نئے
یعنی کعبہ بھی نیا بُت بھی نئے تم بھی نئے

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا!　　　نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا!
جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا!　　　کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا!

کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو!
ملتِ احمدِ مرسل کو مقامی کر لو!

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے　　　ہم سے کب پیار ہے- ہاں! نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے　　　تمہیں کہہ دو! یہی آئینِ وفاداری ہے؟

قوم مذہب سے ہے- مذہب جو نہیں- تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں- محفلِ انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن- تم ہو!　　　نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن- تم ہو!
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو!　　　بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن- تم ہو!

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچوگے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟ نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے!
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟ میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟

تھے تو آبادہ تمہارے ہی۔ مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ رکھے منتظرِ فردا ہو!

کیا کہا؟ بہر مسلماں ہے فقط وعدۂ حور" شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور مسلم آئین ہوا کافر۔ تو ملے حور و قصور

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے۔ موسیٰؑ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی۔ اللہ بھی۔ قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی! ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟ ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں۔ روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا۔ تو غریب
اُمرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی۔ نہ رہی! برقِ طبعی نہ رہی شعلہ مقالی۔ نہ رہی!
رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی۔ نہ رہی! فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی!
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی۔ وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود" ہم یہ کہتے ہیں کہ "تھے بھی کہیں مسلم موجود"
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو۔ مرزا بھی ہو۔ افغان بھی ہو!
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

جلد ۲

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اُس کا تھا قوی لوثِ مراعات سے پاک

جلد ۲
شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اِک ہستیِ فوق الادراک

خود گدازی نمِ کیفیتِ صہبایش بود
خالی از خویش شدن صورتِ مینایش بود

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا
اُس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا

جو بھروسا تھا اُسے قوتِ بازو پر تھا
ہے تمھیں موت کا ڈر۔ اُس کو خدا کا ڈر تھا

باپ ہی علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

تم ہو آپس میں غضبناک وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطابیں وہ خطاپوش و کریم

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

تختِ فغفور بھی اُن کا تھا سریرِ کَے بھی
یوں ہی باتیں ہیں۔ کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟

خودکشی شیوہ تمہارا - وہ غیور و خوددار — تم اخوت سے گریزاں - وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا - وہ سراپا کردار — تم ترستے ہو کلی کو - وہ گلستاں بکنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُن کی

علم حاضر بھی پڑھا اثرِ لندن بھی ہوئے — مثلِ انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے — صفتِ طائرِ گم کردہ نشیمن بھی ہوئے

حال اُن کا مے نو اور زبوں کرتی ہے
شب میں سایے کی ظلمت کو فزوں کرتی ہے

قیس زحمت کشِ تنہائی صحرا نہ رہے — شہر کی کھائی ہوا بادیہ پیما نہ رہے
وہ تو دیوانہ ہے - بستی میں رہے یا نہ رہے — یہ ضروری ہے حجابِ رخِ لیلا نہ رہے

شوقِ تحریرِ مضامیں میں گھلی جاتی ہے
بیٹھکر پردہ میں بے پردہ ہوئی جاتی ہے

عہدِ نو برق ہے - آتش زنِ ہر خرمن ہے — ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے

اِس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملتِ ختمِ رسُل شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی!
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
یعنی ہونے کو ہیں کانٹوں سے بیاباں خالی
گُل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی

ساحلِ بحر پہ رنگِ فلک عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے

اُمتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں
اور محرومِ ثمر بھی ہیں خزاں دیدہ بھی ہیں
سینکڑوں نخل ہیں کاہیدہ بھی بالیدہ بھی ہیں
سینکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا!
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا!
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا!
غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا!

"نخلِ شمع استی و در شعلہ دود ریشۂ تو
عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو"

تو نہ مٹ جائیگا ایران کے مٹ جانے سے　　نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نو رات ہے۔ دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا　　غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا　　امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا

کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری　　ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری　　کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

ختم کاہے کو ہوا کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ہو نہ افسردہ اگر بل گئی تعمیر تری　　رازِ توحید! حکومت نہیں تفسیر تری
تو وہ سرمایہ ہے اسلام ہے شمشیر تری　　نظمِ ہستی میں ہے کچھ اور ہی تقدیر تری

جلد

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو   چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو   بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

وسعت کون و مکاں ساز ہی مضراب ہے یہ   دہر مسجد ہے سراپا۔ خم محراب ہے یہ
جام گردوں میں عیاں مثل مے ناب ہے یہ   موج خورشید ہی خون رگ مہتاب ہے یہ

صوت ہی نغمہ کن میں تو اسی نام سے ہے
زندگی زندہ اسی نور کے اتمام سے ہے

دشت میں دامن کہسار میں میدان میں ہے   بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین میں شہر مراقش کے بیابان میں ہے   اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا   وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا

گرمئ مہر کی پروردہ ہلالی دنیا — عشق والے جسے کہتے ہیں ہلالی دنیا

جلد۲

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کیطرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کیطرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری — ؟

انجم اسکے۔ فلک اسکے ہیں زمیں اسکی ہے — کیا یہ اغیار کی دنیا ہے؟ نہیں! اسکی ہے
سجدے مسجود ہوں جسکے وہ جبیں اسکی ہے — وہ ہمارا ہے امیں۔ قوم امیں اسکی ہے

طوف احمدؐ کے ابینوں کا فلک کرتے ہیں
یہ وہ بندے ہیں ادب جنکا ملک کرتے ہیں

مثلِ بو قید ہے غنچے میں! پریشاں ہو جا! — رخت بردوش ہوائے چمنستاں ہو جا
شوقِ وسعت ہے۔ تو ذرے سے بیاباں ہو جا — نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے!
اور دُنیا کے اندھیرے میں اُجالا کر دے!

اقبال

۱۸۔ شمع و شاعر

دوش میگفتم بہ شمعِ منزلِ ویرانِ خویش — گیسوے تو از پرِ پروانہ دارد شانۂ

در جہاں مثلِ چراغِ لالۂ صحرا استم | نے نصیبِ محفلے نے قسمتِ کاشانۂ
مدّتے مانندِ تو من ہم نفس می سوختم | در طوافِ شعلہ ام بالے نزد پروانۂ
می طپد صد جلوہ در جانِ امل فرسودِ من | برنمی خیزد ز محفل یک دلِ دیوانۂ

از کجا ایں آتشِ عالم فروز اندوختی؟
کرمکِ بے مایہ را سوزِ کلیم آموختی!

شمع

مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ اجل | لب اُسی موجِ نفس سے ہی نوا پیرا ترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہی مضمر مری فطرت میں سوز | تو فروزاں ہی کہ پروانوں کو ہو سودا ترا
گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہی طوفانِ اشک | شبنم افشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چرچا ترا
گل بدامن ہی مری شب کے لہو سے میری صبح | ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا
یوں تو روشن ہی مگر سوزِ دروں رکھتا نہیں | شعلہ ہے مثلِ چراغِ لالۂ صحرا ترا
سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہی زیبا تجھے؟ | انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہبا ترا
اور ہے تیرا شعار آئینِ ملت اور ہے | زشت روئی سے تری آئینہ ہی رسوا ترا
کعبہ پہلو میں ہی اور سودائی بتخانہ ہے | کس قدر شوریدہ سر ہے شوقِ بے پروا ترا

قیس ہوں پیدا تری محفل میں یہ ممکن نہیں تنگ ہے صحرا ترا محمل ہے بے لیلیٰ ترا
اے دُرِ تابندہ اے پروردۂ آغوشِ موج! لذتِ طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا

اب نوا پیرا ہے کیا گلشن ہوا برہم ترا
بے محل تیرا ترنم نغمہ بے موسم ترا

تھا جنھیں ذوق تماشا وہ تو رخصت ہو گئے لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اُٹھ گئے ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
آہ! جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا
بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پروانہ تھا اب کوئی سودائیِ سوزِ تمام آیا تو کیا

پھول بے پروا ہیں تو گرمِ نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو

شمعِ محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے
رشتۂ اُلفت میں جب اُن کو پرو سکتا تھا تو پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے
شوقِ بے پروا گیا فکرِ فلک پیما گیا تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے
وہ جگر سوزی نہیں وہ شعلہ آشامی نہیں فائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پروانے رہے

خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے؟ اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے
دور ہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے
آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں رقص میں لیلیٰ رہی لیلیٰ کے دیوانے رہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی شہر اُن کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں
سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں
دہر میں عیشِ دوامِ آئیں کی پابندی سے ہے موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں
خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی وہ نگاہیں نا امیدِ نورِ ایمن ہو گئیں
اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشیمن ہو گئیں
وسعتِ گردوں میں تھی اُن کی تڑپ نظارہ سوز بجلیاں آسودۂ دامانِ خرمن ہو گئیں
دیدۂ خونبار ہو منت کشِ گلزار کیوں اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بدامن ہو گئیں

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن امید کی

مژدہ اے پیمانہ بردارِ خُمستانِ حجاز بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش

نقد خودداری بہائے بادۂ اغیار تھی — پھر دکاں تیری ہے لبریز صدائے ناؤنوش

ٹوٹنے کو ہے طلسم ماہ سیمایان ہند — پھر سلیمیٰ کی نظر دیتی ہے پیغام خروش

پھر یہ غوغا ہے کہ لا ساقی شراب خانہ ساز — دل کے ہنگامے مئے مغرب نے کر ڈالے خموش

نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں — ہے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش

در غم دیگر بسوز و دیگراں را ہم بسوز — گفتمت روشن حدیثے گر توانی دار گوش

کہہ گئے ہیں شاعری جزو لیست از پیغمبری — ہاں سنا دے محفل ملت کو پیغام سروش

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے

زندہ کر دے دل کو سوز جوہر گفتار سے

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں — سرمۂ چشم دشت میں گرد رم آہو ہوا

رہزن ہمت ہوا ذوق تن آسانی ترا — بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں آیا جو ہوا

اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی — چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروان بو ہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرار حیات — یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا

پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ — زندگی کیسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا

آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی — جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

پردۂ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ
یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر

خیمہ زن ہو وادیِ سینا میں مانندِ کلیم
شعلۂ تحقیق کو غارت گرِ کاشانہ نہ کر

شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
صرفِ تعمیرِ سحر خاکسترِ پروانہ کر

تو اگر خوددار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں
ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر

خاک میں تجھ کو مقدر نے ملایا ہے اگر
تو عصا اُفتاد سے پیدا مثالِ دانہ کر

ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنا لے آشیاں
اہلِ گلشن کو شہیدِ نغمۂ مستانہ کر

اس چمن میں پیروِ بلبل ہو یا تلمیذِ گل
یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو
لب کشا ہو جا سرودِ بربطِ عالم ہے تو

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو

آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو رہرو بھی تو رہبر بھی تو منزل بھی تو

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو بحر تو کشتی بھی تو ساحل بھی تو

دیکھ آ کر کوچۂ چاک گریباں بھی کبھی — قیس تو لیلا بھی تو صحرا بھی تو محمل بھی تو

وائے نادانی کہ تو محتاج ساقی ہو گیا — مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو — خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

بے خبر! تو جوہر آئینۂ ایام ہے!

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے!

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ ای غافل کہ تو — قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے

کیوں گرفتار طلسم ہیچ مقداری ہے تو — دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفاں بھی ہے

سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیام ناز کا — جو نظام دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ — تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اب تلک شاہد ہے جس پر کوہ فاراں کا سکوت — اے تغافل پیشہ تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں — کسوت مینا میں مے مستور بھی عریاں بھی ہے

پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے — اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ

جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائیگی

اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائیگی

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
یعنی گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائیگی

شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائیگی

دیکھ لوگے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل
موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائیگا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائیگی

نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائیگی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اقبال

۲۰۸۔ فریادِ ملت

سازِ عجمی کیا۔ بزمِ عربی کیسی؟
اے دل! صفِ ماتم میں راحت طلبی کیسی؟

پھولوں میں نہ وہ خوشبو۔ غنچوں میں نہ وہ جادو
کیوں محوِ چمن ہے تو۔ یہ بو العجبی کیسی؟

مجنوں نے نگر چھوڑا، فرہاد نے سر پھوڑا — لیلیٰ نظری کیسی - شیریں لبی کیسی

یہ وقت ہے محفل میں اک شورشِ محشر کا — دورِ عمری میں پھر یہ بوالہبی کیسی

ہے شمعِ حرم مردہ - اے سوزِ نہاں والے — آ دیکھ! مرے دل میں ہے آگ دبی کیسی

خالی کیا ساقی نے پیمانہ تو کیا پروا — ہے دجلۂ خوں جاری - یاں تشنہ لبی کیسی

ہاں! آہِ ستم کش کی ہر وقت سماعت ہے — ہنگامِ سحر کیسا اور نیم شبی کیسی

اٹھ! سینۂ پرغم سے نالہ کو رہا کر دے

اس طائرِ بے پر کو ہمدوشِ سما کر دے

پھر آکے سرِ محفل تو زمزمہ خواں ہو جا — دکھلا کے رخِ تاباں پھر بزم کی جاں ہو جا

پھر رفعتِ گردوں پر شمعِ مہِ نو بن کر — عالم کو اجالا کر اور رشکِ بتاں ہو جا

کیوں دردِ جگر بن کر سینہ میں نہاں ہے تو — زور اپنا دکھا ظالم! آ لب پہ فغاں ہو جا

شرمندۂ پستی ہے دنیا میں تری ہستی — ہمدوشِ ہمالہ بن - رفعت کا نشاں ہو جا

ہستی میں سکوں کیسا - عزت ہے تموج میں — گنگا کا تعاقب کر دریا سے رواں ہو جا

رہبر کی ضرورت کیا - رہوار کی حاجت کیا — کاندھے پہ اٹھا بستر صحرا میں دواں ہو جا

ہنگامِ افق تابی اور تیری یہ خاموشی — یا شورِ جرس بن جا یا بانگِ اذاں ہو جا

حیا! دیکھ لے مقتل میں حالت مرے بسمل کی

ہے عمرِ خضر پنہاں شمشیر میں قاتل کی

بلد۲

۴۸- راز و نیاز

ہر ذرہ کائنات کا زیرِ نقاب تھا
عالم تمام سرخوشِ صہبائے خواب تھا

آنکھیں چھپائے ہی تھیں ستاروں کی چرخ پر
یا دل میں منھ چھپائے ہوئے ماہتاب تھا

اُلٹی ہوئی صراحیِ صہبا تھی بزم میں
ٹوٹا ہوا ایاغ پہ جامِ شراب تھا

اس کاکلِ سیاہ پہ قربان موجِ نور
لیلائے شب کا عالمِ حسنِ شباب تھا

سویا ہوا تھا زاہدِ شب زندہ دار بھی
بیہوش و بے حواس ہر اک شیخ و شباب تھا

بزمِ جہاں میں جاگتی صورت تھی کوئی
ہاں! ایک وہ جمال کہ جو بے حجاب تھا

شمعِ زباں حرارتِ پنہاں سے جل پڑی
بیساختہ یہ منہ سے شکایت نکل پڑی

اے دل نواز! محفلِ عشرت نہیں رہی
اب تیرے وصل کی کوئی صورت نہیں رہی

محشر بپا ہے آہ! تری جلوہ گاہ میں
تیرے حرم کی اگلی وہ عظمت نہیں رہی

امن و امانِ بزمِ محبت نہیں رہا
وہ مجلسِ نشاط وہ صحبت نہیں رہی

خوفِ عدو ہے مانعِ گلگشتِ کوہِ طور
دجلہ کی سیر میں کوئی لذت نہیں رہی

غارِ حرا پہ قبضۂ دیوِ سفید ہے
فاراں پہ عاشقوں کی حکومت نہیں رہی

خر بتا کہ جلوہ ترا ہو کہاں حصول — یا تیرے دل میں آتشِ اُلفت نہیں ہی

شکوہ نے میرے اپنا دکھایا اثر شتاب
خاموش جب ہوا تو مجھے یہ ملا جواب

اشق مرا اگر ہے تو تن من نثار کر — اوروں کا ذکر چھوڑ فقط مجھکو پیار کر
فل کو میری پنجۂ اغیار سے چھڑا — خونِ عدو سے بزم کو پھر لالہ زار کر
اشق وہ ہی جو سر سے سبکدوش ہو گیا — دے پھینک دہ گز زمیں مرے سر اُتار کر
دکھلا تو مجھکو سوزِ نہانی ہے چیز کیا — دل کو جگر کو سینہ کو وقفِ شرار کر
تمہیں وہ کہاں جو فزا ہائے دہر میں ہی — دشتِ جنوں کی راہ لے اک نعرہ مار کر
میرے مکاں کے در کا تعلق عدم سے ہے — جا اور نقدِ جسم کو پھر صرفِ دار کر

جاں نذر دے جو خواہشِ دیدِ جمال ہے
عاشق کو حکمِ قتل پیامِ وصال ہے

نجم گیلانی

۴۸- تنبیہ مسلم

سینہ کوہ جسے سن کے دہل جاتا تھا — لیکے وہ بارِ امانت تو سنبھل جاتا تھا

لن ترانی کی صدا سُن کے مچل جاتا تھا — ایک جلوے کیلئے آگ میں جل جاتا تھا

ساز توحید کا اک نغمۂ بیتاب تھا تو — ایک جوہر تھا مگر ایسا نہ کمیاب تھا تو

شل نرگس نہ کبھی شیفتۂ خواب تھا تو — سرعت برق تھا تو مستی سیماب تھا تو

جستجو کی وہ مگر تیری ادائیں نہ رہیں

ذوق آلودہ وہ پُر درد صدائیں نہ رہیں

ہو کے نکہت تجھے پرہیز پریشانی سے — گل ہی اور ڈر ہے تجھے آشفتہ گریبانی سے

جلوہ ہو کر تو جھجکنے لگا عُریانی سے — شعلہ ہو کر یہ حذر سوختہ سامانی سے

کیا ترا بعیت رضواں میں یہی پیماں تھا — کیا یہی درس علیؓ و عمرؓ و عثمانؓ تھا

یہی اسلام تھا پہلے بھی یہی ایماں تھا — کیا شہ یثرب و بطحا کا یہی فرماں تھا

جا نکل تو ہے مذلت کا اگر متوالا

ترا محتاج نہیں گنبد خضرا والا

۵۰۔ فقیر کی صدا

"گر قوم کی خدمت کرتا ہے — احسان تو کسی پر دھرتا ہے

کیوں غیروں کا دم بھرتا ہے　　کیوں خوف کے مارے مرتا ہے
اس ہاٹ کا یہ ہی بیوپار ہے　　کچھ گانٹھ سے دے تب ترتا ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو عمر میں مفت گنوائے گا　　وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا　　جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا　　یہ وقت بھی آخر جائے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو موقع پا کر کھوئے گا　　وہ اشکوں سے منہ دھوئے گا
جو سوئے گا وہ روئے گا　　اور کاٹے گا جو بوئے گا
تو غافل کب تک سوئے گا　　جو ہونا ہو گا ہوئے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اب دنیا کا وہ رنگ نہیں　　وہ طرز نہ صلح و جنگ نہیں

اغیار کا تو پاسنگ نہیں — کیا تجھکو شرم و ننگ نہیں
گو تاج نہیں اورنگ نہیں — پر ملک خدا کا تنگ نہیں

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

یہ دنیا آخر فانی ہے — اور جان بھی اک دن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے — کر ڈال جو دل میں ٹھانی ہے
جب ہمّت کی جولانی ہے — تو پتھر بھی پھر پانی ہے

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

دیوانہ

۸۶- رمزِ حقیقت

م سے ہو پیروی حق کا سر انجام کہاں — دیکھیں اس صبحِ صداقت کی ہو اب شام کہاں
نق میں صبر و سکوں اے دلِ ناکام کہاں — آس و لارام کی خواہش ہے تو آرام کہاں
ص تعزیر کے لائق ہے گنہگارئ عشق — درخورِ جاں ہے تری سرزنشِ عام کہاں

پند ناصح وہ سُنے خوفِ ملامت ہو جسے یاسِ ناموس کہاں عاشقِ بدنام کہاں
ترکِ آداب کا عشاق سے بیجا ہے گلہ جب نہ ہو مورد تو الزام تو الزام کہاں
کشورِ ہند کہ مغلوب رہا ہے اس میں نام ہی نام ہے اسلام کا اسلام کہاں
حسرتِ زار ہے اور کشمکشِ یاس و امید
اب وہ بالیدگیٔ شوق کا ہنگام کہاں

جلد ۲

حسرت

۸۷۔ انتظار

اُمتِ احمدؐ کو ہے فضل کی تیرے اُمید فضل کی اُمیدوار دیکھیے کب تک رہے
حق کی کمک ایک دن آہی رہیگی ولے گرد میں پنہاں سوار دیکھیے کب تک رہے
ہم نے یہ مانا کہ یاس کفر سے کمتر نہیں
پھر بھی ترا انتظار دیکھیے کب تک رہے

ایک ہی در کا بھکاری ہوں سبھی اک فقط تیرا سہارا چاہیے
ہے تقاضائے جنونِ پردہ در خاک اُڑانا آشکارا چاہیے
ہے ولے فرمودۂ غالب کا پاس ضبط کا کچھ اور یارا چاہیے

چاک مت کر جیب کو بے فصلِ گُل
کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیے

صبا تو جا کے یہ کہیو مرے سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
تمہارے فضل کے بھوکے یقین رکھتے ہیں
کہ عید آئے گی بے شک مہِ صیام کے بعد

۸۸- استقامتِ دین

جوہرؔ

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی یہ اپنی نہ جاشانِ خدا دیکھ

یہ نور خدا کا ہے بجھائے نہ بجھے گا
کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی بجھا دیکھ

ہو تیری دو روزہ مرا ایماں ہے ازل کا
پابندِ جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

عقبیٰ تو کہاں واں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک
اُس کافرِ بے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

سونے کا نہیں وقت یہ ہو ہوشیار رہو غافل
رنگ فلکِ پیر زمانہ کی ہوا دیکھ

۸۹- کششِ حق

جلد

ہر دل میں اک ہجومِ محبت ہی آج کل
اُس شوخ کی کچھ اور ہی صورت ہی آج کل

اے سحرِ حسنِ یار میں اب تجھ سی کیا کہوں
دل کا جو حال تیری بدولت ہی آج کل

شاید وہ یاد کرتے ہیں مجھکو۔ کہ اور بھی
تکلیف اضطراب کی شدت ہی آج کل

مستور کس حجاب میں ہی وہ جمالِ پاک
اہلِ نظر کو جس سے عقیدت ہی آج کل

برپا ہی بزمِ یار میں اک حشرِ آرزو
اظہار شوق کی جو اجازت ہی آج کل

اک طرفہ بیخودی کا ہی عالم کہ عشق میں
تکلیف آج کل ہی نہ راحت ہی آج کل

ساقی سے فصلِ گل میں کریں کیوں سوالِ مے
کیا التماس کی بھی ضرورت ہی آج کل

پڑتاب گڑھ میں ہم کو تری یاد کے سوا
حاصل ہر ایک شغل سے فرصت ہی آج کل

حسرت وہ سوزِ خاص جو ہو حاصلِ فراق
تیرے سخن میں اُس کی بھی لذت ہی آجکل

حسرت

۹۰- دیکھ دیکھ دیکھ

کھول آنکھیں اُٹھ ذرا گلشنِ عالم کی فضا دیکھ
کس شان سے پھر صبح ہوئی جلوہ نما دیکھ

مرغانِ چمن جوش میں ہیں محوِ ترنم — آتی ہے ہر اک شاخ سے نغمہ کی صدا دیکھ

ظاہر ہے گل و لالہ کے چہرے سے مسرت — ہے ہوش ربا نرگسِ شہلا کی ادا دیکھ

رفتارِ نسیمِ سحری پر تو نظر کر — وہ ناز سے آتی ہے چلی بادِ صبا دیکھ

بستر پہ پڑا کس لیے ہر سو نگراں ہے — اُٹھ اور افقِ چرخ پہ سورج کی ضیا دیکھ

کچھ تجھکو خبر بھی ہے کہ دنیا ہوئی بیدار — غافل! چمنِ دہر کو اُٹھکر تو ذرا دیکھ

آتی ہیں چپ و راست سے چل چل کی صدائیں — ہے نعرہ زنِ عزمِ سفر بانگِ درا دیکھ

منزل سے کہیں دور گئے قافلے والے — اور تو ہے ابھی خواب میں بستر پہ پڑا دیکھ

تو قافلہ سالار تھا لازم تھی تجھے فکر — اے خانہ برانداز! یہ غفلت کی سزا دیکھ

اب تک تو زمانہ کی وفا دیکھی ہے تونے — جا اب فلکِ پیر کے ہاتھوں سے جفا دیکھ

اے رقصِ شبِ مہ کا مزا دیکھنے والے — اب صبح کو بسمل کے تڑپنے کا مزا دیکھ

تھی شب کو ترے پیشِ نظر قدر کی محفل — اب اُٹھکے پراگندگیِ بزمِ قضا دیکھ

دینے کو تجھے بادۂ گلرنگ کے بدلے — لایا ہے فلک ساغرِ خونِ شہدا دیکھ

رسم و رہِ الفت کی تجھے شرم بھی کچھ ہے — اے بلبلِ خنداں! یہی ہے شرطِ وفا دیکھ

گل توڑ کے گلشن سے لیے جاتا ہے گلچیں — اور تو ہے یہاں شاخ پہ یوں نغمہ سرا دیکھ

[illegible] — ہر ذرۂ گلشن ہے گرفتارِ بلا دیکھ

ہاں اے محملِ لیلےٰ کو ذرا تھام لے مجنوں ناقہ سے گرا دے نہ کہیں بادِ صبا دیکھ

اے نجمؔ ! در جود و کرم وا ہے اُٹھا ہاتھ
زنہار نہ کر دیر یہ ہے وقتِ دعا دیکھ

نجم گیلانی

۹۱۔ میرے لیے ہے

نظارۂ پیہم کا صلا میرے لیے ہے
ہر سمت وہ رُخ جلوہ نما میرے لیے ہے

اُس چہرۂ انور کی ضیا میرے لیے ہے
وہ زلفِ سیہ تاب دوتا میرے لیے ہے

زنہار اگر اہلِ ہوس تجھ پہ فدا ہوں
یہ مرتبۂ صدق و صفا میرے لیے ہے

بن کر میں رضا کار مٹیا لے فنا ہوں
آوازۂ حق بانگِ درا میرے لیے ہے

خوشنودیِ فجّار کے پیرو ہیں یزیدی
تقلیدِ شہِ کرب و بلا میرے لیے ہے

محروم ہوں مجبور ہوں بیتاب و تواں ہوں
مخصوص ترے غم کا مزا میرے لیے ہے

سرمایۂ راحت سے فنا کی مجھے تلخی
اس زہر میں سامانِ بقا میرے لیے ہے

جنت کی ہوس ہو تو ہیں کافر کہ پریشاں
اُس شوخ کی خوشبوئے قبا میرے لیے ہے

پہلے بھی کچھ اُمید نہ تھی چارہ گروں کو
اور اب تو دوا ہی نہ دعا میرے لیے ہے

مرجاؤں گا میخانے سے نکلا جو کبھی میں
نظارۂ روح فزا میرے لیے ہے

تشخیصِ طبیباں پہ ہنستی آتی ہی حسرت
یہ دردِ جگر ہے کہ دوا میرے لیے ہی

۲۱

حسرت

۹۲۔ مژدہ

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

سفینۂ برگِ گل بنالے گا کارواں مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خار زار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر آشکار ہوگا

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

میں ظلمتِ شب میں لیکے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اسکی
کہیں سرِ رہ گزار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا

اقبال

۹۳ - ترانہ مسلم

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سایہ میں ہم پلکر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے ارضِ پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

اے موجِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو — اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا
اے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھکو — تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا
سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا — اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا
اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!

اقبال

جلد ۲

۹۴۔ عرضِ حال

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے — اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ — خود آج وہ مہمانِ سرائے فقرا ہے
وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں — اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے — اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے — اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے
جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر غنا بھی — اس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے
جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب — اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ درا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی
دیندار و لیکن ہیں پر آب ہی باقی نہ صفا ہے
ملت ہی نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہی باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے
جلد ۲
گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے
ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے
فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

حالی

۹۵۔ فریاد بدرگاہِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

(بموقع جنگِ بلقان ۱۹۱۳ء)

اے دلِ بیتاب ذرا ضبطِ آہ
خواب میں ہیں سرورِ عالم پناہ
پہلی یہاں سب سے ادب شرط ہے
پیرویِ رسمِ عرب شرط ہے
فرض ہے سر گام بہ سر رکھنا یہاں
فرض ہے انسان کو جھکنا یہاں
گنجِ دو عالم کا دفینہ ہے یہ
یعنی کہ سرکارِ مدینہ ہے یہ

کرلے جو کرنی ہو تجھے التجا
مانگ جو ہو مانگنی تجھکو دُعا

عرض ہے اے خسروِ والا حشم
ہو گئے برباد ترے بعد ہم

عالمِ اسلام پہ کیجئے نگاہ
آپ کی اُمت کی ہے حالت تباہ

جس سے نہاں گرد میں تھا آسماں
راہ میں لوٹا گیا وہ کارواں

بیٹھی ہوئی جس کی تھی عالم پہ دھاک
ہوتی ہے وہ قوم تہ خون و خاک

کانپتے تھے جس سے فرنگ و فرانس
آخری اس قوم میں باقی ہے سانس

وہ بھی کوئی دم کی ہے اب میہماں
کب تلک اے شاہ یہ خوابِ گراں

اُٹھیے کہ اب وقت ہے باقی قلیل
ہم تو نہیں رہنے کے ہو کر ذلیل

ہند میں اسلام نے کی خودکشی
طاری ہے ایران پہ اک بیہشی

مٹنے لگا مصر سے مسلم کا نام
ہوتی ہے ترکوں کی بھی ترکی تمام

سخت زبوں آپ کی اُمت ہے آج
اُٹھیے کہ بس ہمیہ قیامت ہے آج

اے بسرا پردہ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

منتظراں را بلب آمد نفس
اے زتو فریاد بفریاد رس

خیز و شب منتظران روز کن
صبح نظامی طرب افروز کن

جلد ۲

دیوانہ ۶

۹۶۔ تحفۂ امت

(موقع جنگ طرابلس سنہ ۱۹۱۲ء)

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا — جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن — نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
ہوا رفیقِ اجل اشتیاقِ آزادی — سمندِ عمر کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھکو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھکو

کہا حضور نے اے عندلیبِ باغِ حجاز — کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا — فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اڑا جو پستیِ دنیا سے تو سوئے گردوں — سکھائی تجھکو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

کہا یہ میں نے کہ سچی خوشی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ریاضِ دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول — وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

اقبال

۹۴ - فاطمہ

(ایک عرب لڑکی جو غازیان طرابلس کو عین میدان کارزار میں مشک سے پانی پلاتی پھرتی تھی اور بالآخر خود بھی جنت کو سدھاری)

فاطمہ تو آبروئے ملتِ مظلوم ہے — ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
کس قدر عزت تجھے اے حورِ صحرائی ملی — غازیانِ ملتِ بیضا کی سقائی ملی
یہ جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر — دل کہ برگِ نازکِ گل سے بھی تھا پاکیزہ تر
موت کے اندیشۂ جانکاہ سے بیگانہ تھا — موجۂ خوں کی ہم آغوشی سے بھی ڈرتا نہ تھا
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

سینۂ ملت میں ایسا جلوۂ نادیدہ تھا جس کے نظارہ میں اک عالم سراپا دیدہ تھا
جلد
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

اقبال

۹۰۔ دعوتِ بلقان

تا کجا رخ زرد، دیدہ خونچکاں، دل مضمحل تلبیے سازِ جنوں مشتاق آہنگِ عمل
دعوئے ایمان رکھتا ہے تو اے مومن نکل
شمہ غیرت کا ہے گر باقی تو چل بلقان چل

جان سی لاکھوں گنی زیادہ ہے تیری آبرو ہو فنا گر ہے بقائے جاوداں کی آرزو
سوگوار رہیائے فردا کی نہ کر تلقین تو
شمہ غیرت کا ہے گر باقی تو چل بلقان چل

پھینک دے بیروح لوگوں کے لیے یہ اعتدال موت حاصل کر کہ جو اس زندگی کا ہے کمال
وہ بھی کیا مرنا کہ خود فطرت تجھے دیدے جواب
لطف مرنے کا اگر چاہے تو چل بلقان چل

۹۹ - رجزِ مُسلم

زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو ہلا دیں گے
مشرق کا سرا اُٹھ کر مغرب سے ملا دیں گے

دھارے میں زمانے کے بجلی کا خزانہ ہیں
بہتے ہوئے پانی میں پھر آگ لگا دیں گے

ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ
شعلے بھڑک اُٹھیں گے جھونکے جو ہوا دیں گے

ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آنے پھر تم کو بتا دیں گے

فاران پہ گرجے تھے برسے ہیں جہاں بھر میں
گھِر کر جو کہیں کڑکے پھر ہوش اُڑا دیں گے

دُنیا کے سمندر میں ہم جزر بھی ہیں مد بھی
دیکھو جو ہمیں روکا طوفان اُٹھا دیں گے

مُرجھائی ہوئی کھیتی اب ہم ہیں تو کیا ڈر ہے
چھینٹے ہیں رحمت کے پھر نشو و نما دیں گے

جڑ ہم نے پکڑ لی ہے کلّے نئے پھوٹیں گے
گر خاک میں بھی ہم کو اک بار ملا دیں گے

ایران ہو یا ٹرکی دونوں کو مٹا دیکھیں
کیا صفحۂ ہستی سے اسلام مٹا دیں گے

اس دین کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

گونجیں گی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں
یہ صور جہاں پھونکا مُردوں کو جِلا دیں گے

اے جذبۂ اسلامی جس دل میں نہ تو ہوگا
یہ نظم صفیؔ پڑھ کر ہم اس کو سُنا دیں گے

صفی

جل

۱۰۰- شاہِ اسلام

سلاطین گو اس سے عاری نہیں
پر ایسی کہیں خیر جاری نہیں

حرم میں مدینے میں بغداد میں
دُعاگو ہیں سب آپ کی یاد میں

کہیں ہوں زمانہ میں اربابِ دیں
وہ اس خوانِ نعمت کے ہیں ریزہ چیں

مشائخ فقیر اہلِ علم و ہُنر
ہزاروں اسی در سے ہیں بہرہ ور

بزرگانِ دیں سے اسی ساز باز
ادب اس کی طینت میں دل میں نیاز

نظر ہی بسیط اس کی ہر راز میں
غرض فرد ہے اپنے انداز میں

الٰہی یہ سلطان عالی مقام
رہے پیروِ شرعِ خیر الانام

عطا کر وفادار میر و وزیر
نہو دام اہلِ غرض میں اسیر

ہر اک چشم بد سے بچانا اسے
نگھ آنکھ میں دے زمانہ اسے

مشیر اس کے دل سے ہی خواہ ہوں
رفیق اس کے سارے حق آگاہ ہوں

الٰہی اسے حسنِ تمیز دے
جو محبوب ہو تجھکو وہ چیز دے

ہر اک عزم میں اپنے ہو کامیاب
رہیں اس کے فتح و ظفر ہمرکاب

مدام اس پہ انعام باری رہے خلائق میں فیض اس کا جاری رہے
جلد۲
ملے صدقِ بوبکرؓ و شانِ عمرؓ ملے زہدِ الیاسؑ و عمرِ خضرؑ
ملے حلمِ عثمانؓ و زورِ علیؓ
ملے گنجِ توحید و عشقِ نبیؐ

بنیظیر

بالخیر

معارفِ ملّت

جلد دوم

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں، اگر کوئی صاحب اُن سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکرگزاری ہوگا۔

۱۔ اسمٰعیل مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۲ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

صفحہ

(۶۶) نام کے مشائخ ۹۶

۲۔ اقبال ڈاکٹر سر محمد اقبال

صفحہ

ولادت سنہ ۱۸۷۰ء وطن سیالکوٹ

صفحہ ضمیمہ جلد ۲

۳۔ اکبر سیّد اکبر حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد وفات ۱۹۲۱ء مدفن الہ آباد

۴۔ انس میر مہر علی صاحب مرحوم

وطن فیض آباد

۵- انیس میر ببر علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۱۶ھ وطن فیض آباد وفات ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

صفحہ

صفحہ

۸۔ حافظ حافظ محمد نذیر صاحب مرحوم

صفحہ ضمیمہ جلد۲

وطن رامپور

۹۔ حالی خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت۔ وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

۱۰۔ حسرت سید فضل الحسن صاحب موہانی

ولادت ۱۸۷۵ء وطن موہان

صفحہ ضمیمہ جلد۲

صفحہ

۲۰۔ نظیر شیخ ولی محمد صاحب مرحوم

وطن آگرہ۔ وفات ۱۳۵۰؁ھ مدفن آگرہ

۲۱۔ نفیس

۲۲۔ وحید

وطن لکھنؤ

۲۳۔ ہاشمی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی

وطن فریدآباد (دلی)

۲۴۔ عبا

سلسلۂ دعوتِ صفہ

اسرارِ حق

مؤلفہ

محمد الیاس برنی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) حیدرآباد دکن

آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، ارشادات صدیقین و اکابر دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب اور اُن کے مقابل یورپ کے جدید سائنس و فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لُبّ لباب۔ خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب۔ اسلام میں علم باطن۔ توحید اور اس کے مقامات، احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت، نبوت اور ولایت کے مراتب، کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ ایک ہی نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشین ہوتا ہے اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ۝

جن علوم کو اللہ جل شانہٗ صدق اور جن کے عالموں کو صادقین و صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں ان کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے قابل دید حجم تقریباً ۸۰۰ صفحہ جلد پاکیزہ قیمت صرف تین روپیہ (سے/) علاوہ محصول۔

معاشیات

(۱) **علم المعیشت**۔ اکنامکس (Economics) پر اُردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے۔ مشکل سے مشکل معاشی اُصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاص تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلق بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسان عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ ضخامت تقریباً ۰۰ ۹ صفحہ خوشنما جلد سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو دوسرا ایڈیشن بنظر ثانی شائع ہوا ہے قیمت . . . . صہر

(۲) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی

اصلاح وترقی کے واسطے ازحد ضروری ہی کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس
اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں یہ بھی اُردو زبان میں اپنی قسم کی
پہلی کتاب ہی۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اُصول ومسائل بیان ہوئے ہیں
اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہی۔ یہ دونوں
کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں ضخامت تخمیناً
۰۰۹ صفحہ خوشنما جلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہو رہی ہی۔

(۳) **مالیات** ۔ پبلک فنانس (*Publice finance*) پر اُردو
زبان میں سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہی مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں
آمدنی کے کیا کیا ذرائع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل ومصارف کا انتظام
کس نہج پر قایم ہی۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا
کیوں کر عمل درآمد ہوتا ہی یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر
علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا
مطالعہ بہت مفید بلکہ ازحد ضروری ہی ضخامت تخمیناً ۰۰۰ صفحہ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمات المعاشیات** ۔ مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب
انٹروڈکشن ٹو اکنامکس (*Introduction to Economics*) کا سلیس

اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول و مسائل بیان کیے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۵۰۴ صفحہ۔ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

(۵) **معاشیات ہند**۔ مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس (Indian Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کیے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۸۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

(۶) **برطانوی حکومت ہند**۔ انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہے یہ کتاب بھی جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۵۰۶ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

ملنے کا پتا: محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

Professor Elyas Burny's Other Urdu Works

1. **Ilmul-Maeeshat**—On Principles of Economics—over 800 pp.

2. **Maeeshat-ul-Hind**—On Indian Economics—about 800 pp. (in press)

3. **Malyat**—On Public Finance—about 500 pp. (under preparation)

4. **Mukaddamat-ul-Maashiyat**—Translation of Moreland's Introduction to Economics.

5. **Hindustani Maashiyat**—Translation of Banerjee's Indian Economics.

6. **Bartanvi Hukoomat-i-Hind**— Translation of Anderson's British Administration in India.

7. **Asrar-e-Haq**—On Spiritualism in Islam—400 pp.

Volume III. ... Collection of poems describing the objects of Nature, such as Fruits and Flowers, Worms and Insects, Bees and Butterflies, favourite Birds and Quadrupeds.

Volume IV. ... Collection of poems describing the various important and interesting phases of Indian life, such as popular Customs and Ceremonies, Functions and Festivals, Games and Sports, Fashions and Etiquettes, and various shades of Domestic life. Also the ancient mode of Warfare.

It will be seen that the Series, in its variety and scope, is really a panorama of Indian life and culture, depicting genuine feelings and emotions, discussing communal problems, as well as social and moral notions, describing every day life and its relation to the objects and events of Nature. This will enable the reader to survey the extent and gauge the depth of Urdu Poetry.

MOHAMED ELYAS BURNY,
OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD (DECCAN),

December, 1924.

Volume II. ... Selections from the works of the eminent poet, Mirza Ghalib, his noteworthy contemporaries, Zauq and Zafar and his true follower Hasrat Mauhani.

Volume II . ... Selections from the works of some thirty old notable poets.

Volume IV. ... Selections from the works of some sixty modern popular poets.

Set III.

MANAZIR-E-QUDRAT (The Scenes and Sights of Nature).

Volume I. ... Collection of poems reflecting the various manifestations of Time, such as Dawn, Sunrise, Sunshine, Sunset, Night, Moonlight, Rainy-season, Winter, Summer and Spring.

Volume II. ... Collection of poems reflecting the scenes and sights of Space, such as Earth and Sky, Plains and Mountains, Rivers and Forests, Fields and Gardens, Cities and famous Buildings.

their final cast in 1924, and it is possible that some additional Volumes may still follow in the future.

The Series is divided into three Sets, and covers twelve volumes as follows :—

Set I.

MAARIF-E-MILLAT (Problems of Community)

Volume I. ... Collection of poems in praise of God and the Prophet and others imbued with the spirit of religious devotion : A Prayer Book.

Volume II. ... Collection of poems depicting the past, present and future of Islam and the Musalmans. The tragedy of Karbala, as told here, is extremely impressive.

Volume III. ... Collection of poems dealing with the various phases and prospects of Nationalism in India.

Volume IV. ... Collection of peoms dealing with the various problems of Ethics and Morals.

Set II.

JAZBAT-E-FITRAT (Natural Feelings and Emotions).

Volume I. ... Selections from the works of the two old and premier poets Mir and Sauda.

SELECTED URDU POEMS SERIES

This is, perhaps, the first attempt in Urdu alone, to edit a comprehensive anthology on the advanced system of the comparative study of cognate poems. The Collection already includes more than twelve hundred poems selected from the works of nearly two hundred poets—old and new—bearing upon a large variety of important and interesting subjects and arranged according to the affinity of their subject-matter. The Series thus offers, in a convenient form what may be called the cream of Urdu Poetry, while by the special arrangement of the pieces selected it provides ample scope for the growth and development of critical instinct which is the soul of higher literary education. It is hoped that the Series will satisfy not only the long felt want of a popular anthology for the Urdu reading public, but will also meet the demand for systematic Urdu Poetry-books in Schools and Colleges all over the country.

The Series was started in 1919 when the first three Volumes of the Ma'arif, Manazir, and Jazbat were published, and received such an active support, far and near, that it rapidly extended to no less than twelve Volumes within the next four years. A Revised and Enlarged edition of these Volumes has been publised in

Maarif-e-Millat

VOL II

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشریحِ ترتیبِ جدید

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پرانی داستان ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلۂ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر دھنتے ہیں

انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو اُمید ہی کہ اُردو کا بیشتر قابل قدر کلام یکجا محفوظ ہو جائے گا۔ اور شایقین کو بلا وقت دستیاب ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک فارسی انتخاب کے واسطے بھی عرصے سے بعض محترم بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمایش جاری ہی بلکہ اصرار تک نوبت پہونچ گئی ہی۔ مہلت اور موقع شرط ہی۔ ممکن ہی کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی شائع ہو کر شرف مقبولیت حاصل کرے۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللہ۔

جامع عثمانیہ حیدرآباد دکن
دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء

محمد الیاس برنی

رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔ پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیے۔ اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ ان واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایّام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں

جلد۲

۲۴۔ حضرت زینب کا ارمان

ماں کو حسرت تھی کہ دنیا میں یہ کچھ نام کریں
سرخروزینب ناکام ہو یہ کام کریں
لشکرِ شام کو رن میں تہ صمصام کریں
سرنثارِ قدمِ شاہ خوش انجام کریں
ہائے کیا شاد ہو دل فاطمہ کی پیاری کا
خلق میں غل ہو اگر ان کی وفا داری کا

گر کبھی تذکرۃً کہتی تھی اُن سے مادر
بارہا لڑتے تھے فوجوں سے اکیلے حیدر
پاسِ آداب سے رہ جاتے تھے سر نیوڑا کر
جوشِ جرأت سے بدل جاتے تھے لیکن تیور
جنگ کا شوق جواں مردوں کو تڑپاتا تھا
سینے تن جاتے تھے جب حرب کا ذکر آتا تھا

وحید

۲۵۔ کمسن صاحبزادوں کا جوشِ شجاعت

نام خدا ہیں عون و محمّد بھی کیا شکیل
ایک مہرِ بے نظیر ہے اک بدرِ بے عدیل
افروختہ ہیں رخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل

پھروادیٔ فاراں کے ہر ذرہ کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے، پھر ذوق تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

آتش مِنتی جس کی کانٹوں کو جلا ڈالے
اس بادیہ پیما کو وہ آبلۂ پا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہدِ لیلیٰ دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
خودداریٔ ساحل دے آزادیٔ دریا دے

بے لوث محبت ہو بیباک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا دے دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اِس اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

اقبال

۹۷۔ شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں

معارفِ ملّت

جلد دوم

نہیں اس طبق پر کوئی برِّ اعظم — نہ ہوں جس میں ان کی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم — بناؤں سے ہے ان کی معمور عالم

سرِ کوہِ آدم سے تا کوہِ بیضا
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے انکا

وہ بنگلیں محل اور وہ ان کی صفائی — جمی جن کے کھنڈروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی — وہ مسجد جہاں جلوہ کرتھی خدائی

زمانہ نے گو ان کی برکت اٹھالی
نہیں کوئی ویرانہ پر ان سے خالی